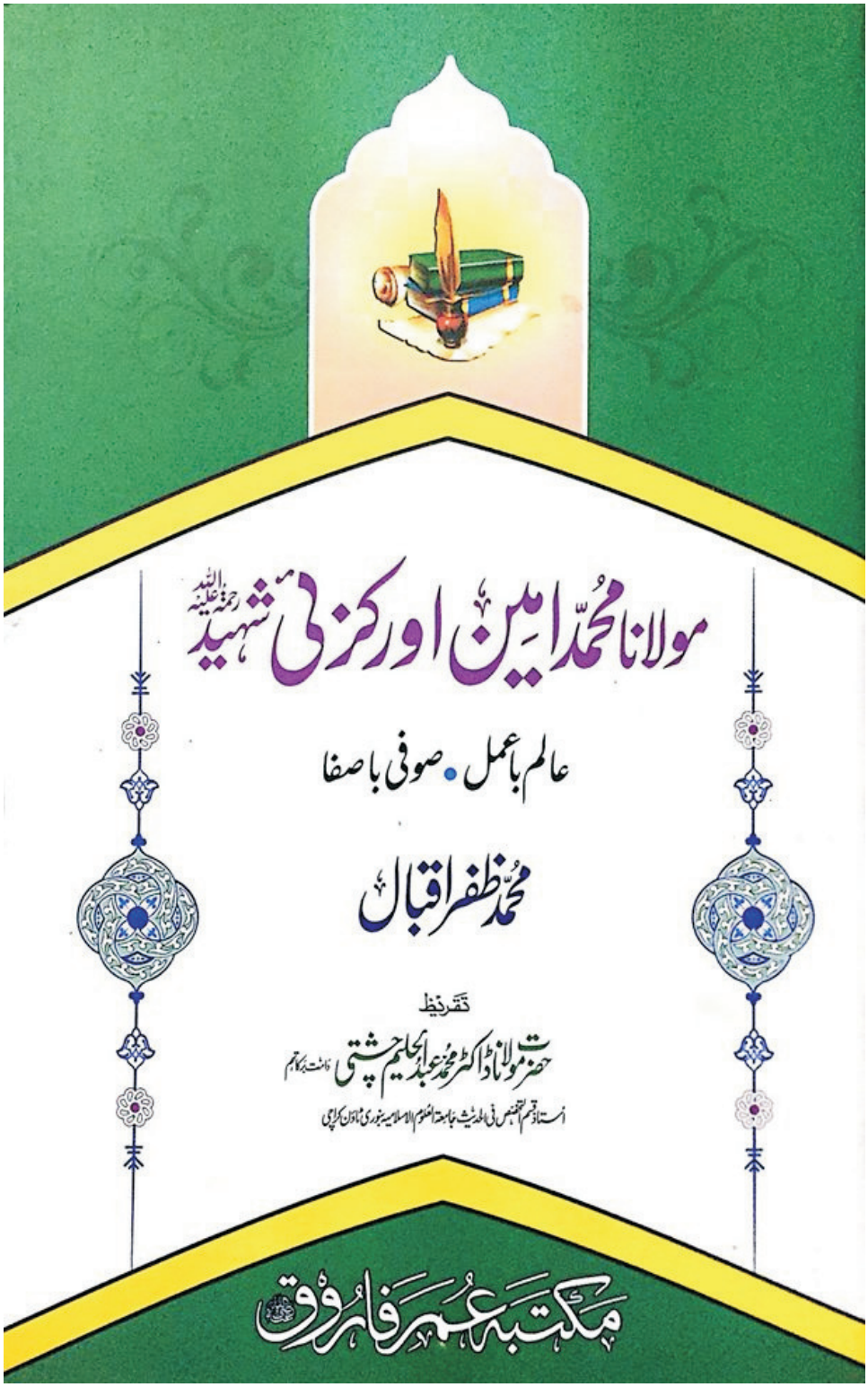

مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

عالم باعمل • صوفی باصفا

محمد ظفر اقبال

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

اُستاذ قسم التخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ

عالم باعمل ـــــ صوفی باصفا

محمد ظفر اقبال

مکتبہ عمر فاروق

بسم الله الرحمن الرحيم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ادارۂ علم ودانش

ناشر: ادارۂ علم ودانش

کتاب: مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ: عالم باعمل ـــــ صوفی باصفا

طبع اوّل: ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ / جنوری 2018ء

قیمت:

تقسیم کنندگان:

مکتبہ عمر فاروق: ۴/۵۰۱- شاہ فیصل کالونی، کراچی۔ فون : 021-34594144

موبائل : 0314-9600090, 0334-3432345

فضلی سنز: اردو بازار، کراچی

دارالکتاب: کتاب مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

کتاب سرائے: پہلی منزل، الحمد مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

ادارۂ پاکستان شناسی: ۲/۲۴- سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور۔ رابطہ: ۰۳۲۲۴۰۰۵۹۵۲

ادارۂ علم و دانش: **Email: idaraeilmodanish@gmail.com, P.O Box No. 009221**

انتساب

یہ عاجز اپنی اس حقیر کاوش کو شہید مولانا محمد امین اورکزئی رحمۃ اللہ علیہ کی رفیقۂ حیات

حضرت اماں جان مدظلہا

اور

صاحبزادہ گرامی

مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ

کے نام معنون کرتا ہے ـــــ حضرت اماں جان مدظلہا نے پوری زندگی جس طرح اپنے عظیم شوہر کا ساتھ دیا اور کئی نسلوں کو دین دار بنانے میں صلے اور ستائش کی تمنا سے بے پروا ہو کر نہایت خاموشی سے اپنا کردار ادا کرتی رہیں اور تا حال کر رہی ہیں، عصر حاضر کی ''جدید تعلیم یافتہ عورت'' کے لیے اس عظیم خاتون کی زندگی مستقل درس اور نمونہ ہے۔

اور

صاحبزادہ گرامی اپنے عظیم والدین کے زیر تربیت رہ کر اپنے شہید والد کی نشان قدم پر پورے اخلاص و انکسار کے ساتھ گامزن ہیں۔ ان کا سب سے قابل رشک اور لائق تقلید وصف ''مروّجہ صاحبزادگی'' کی خوبو سے پاک ہونا ہے۔ مروجہ صاحبزادگی اس عہد میں، الا ماشاء اللہ، ہمارے دینی طبقات سے وابستہ افراد کے لیے مسلسل آزمائش بلکہ مستقل فتنہ بن چکا ہے۔

اللہ تعالی ان دونوں ماں بیٹے کو سلامت رکھے اور خدمات دینیہ کے لیے موفق فرمائے، آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

مولانا محمد امین اورکزئی رحمہ اللہ کا شمار حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے فائق شاگردوں میں ہوتا ہے، ان کی زندگی علم وعمل کا مجموعہ تھی، ان کی پابندیٔ وقت لائق دید تھی، خاموشی کے ساتھ ہمیشہ صبح سے شام تک اپنے کام میں مشغول رہتے، اس دوران اکثر تحریر وتصنیف ان کا مشغلہ ہوتا۔

جناب ظفر اقبال صاحب کا مرتب کردہ مجموعہ جو ''مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ: عالم باعمل ـــــ صوفی باصفا'' کے نام سے موسوم ہے، اس میں حضرت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واقعات کی روشنی میں انتہائی خوب صورت انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ہر واقعہ اپنی جگہ سبق آموز ہے اور اس میں طالبان علوم کے لیے بہت سے اسباق ہیں یقیناً مولانا اورکزئی رحمہ اللہ کی زندگی کے یہ معمولات قابل تقلید ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ رب العزت جناب ظفر اقبال صاحب کو اس اچھے عمل پر اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کے قلم کو بابرکت بنائے، آمین۔

(ڈاکٹر) محمد عبدالحلیم چشتی

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۴۳۹/۶/۸ھ

مشرف تخصص فی علوم الحدیث

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاون کراچی

مشمولات

مضامین	صفحہ
اعتذار	۱-۳
حواشی	۴
حب: مراتب سلوک کا اصل الاصول	۵
محبت: غیر متغیر وجدانی کیفیت	۶
محبوب کے ماسوا سب کچھ حجاب ہے	۷
عبودیت: اللہ تعالیٰ کی محبت کا راست ذریعہ	۷
عقیدے کی صحت بندگی کا جوہر	۹
توحید اور لوازم توحید: عبودیت کا اصل الاصول	۹
صفات سلبیہ کا اعتراف بھی لازمہ توحید ہے	۱۰
شریعت اور اس کے لوازم	۱۱
عشق کی لامحدودیت اور عقل کی نارسائی	۱۲
طریق عشق میں خود اعتمادی کی مضرتیں	۱۳
بندگی: ام الفضائل	۱۴

محبت الٰہی مقصود اعظم ہے	۱۴
محبت الٰہی اور محبت رسولؐ کے مابین ربط	۱۵
[۱] ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت	۱۸
[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت	۲۱
[۳] درود شریف کے ساتھ تعلق	۲۳
[۴] حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق	۲۷
[۵] بدعات سے نفور	۳۳
[۶] دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا استحضار	۳۴
[۷] شفقت علی الخلق	۳۶
مولانا اورکزئیؒ: تحصیل سلوک کا روحانی سفر	۴۴
مولانا اورکزئیؒ: تربیتی منہج اور عارفانہ ذوق	۴۷
شیخ: بنیادی صفات اور خصوصیات	۴۸
مرید اور سالک کے لیے ہدایات اور لائحہ عمل	۴۹
شہید اورکزئیؒ علم اور عشق کا امتزاج	۵۳
اشتغال بالحدیث	۵۴
مناظرانہ خدمات	۵۶
سیاسی اور سماجی خدمات	۵۸
کرامات اولیا: اہل سنت و جماعت کا اجماعی مسلک	۶۰
کرامات: عقیدۂ توحید کی تکمیل	۶۱

کرامات: عقیدۂ رسالت کی حقانیت کی دائمی شہادت	۶۲
کرامات اولیاء: ضروری اور قابل لحاظ امور	۶۳
شہید اور کزئیؒ کی منتخب کرامات	۶۴
حواشی	۸۳-۹۲
کتابیات	۹۳-۹۶

اعتذار

اس امر پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے مذہبی زندگی کے ابتدائی دنوں میں ہی راقم کو نہایت پختہ مزاج اور ٹھیٹھ دینی ذوق کے حامل بزرگوں کی صحبت و مجالست اور ان کے افادات و فرمودات سے استفادے کی توفیق مرحمت فرمائی ؎

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض افریش رشتہ گلدستہ ام

ان بزرگوں میں سب سے پہلا نقش، جن کی زیارت اور ملاقات کا شرف بھی بعد میں حاصل ہوا، شہید حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا ہے۔ بعد میں اس فہرست میں چند اور بڑے بزرگوں کا اضافہ ہوا ان میں حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدرؒ، حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، مخدومی حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہم العالی اور سب سے بڑھ کر سیدی و مولائی حضرت مولانا سلیم اللہ خان قدس سرہٗ کے نام قابل ذکر ہیں۔ شروع شروع میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی مرحوم شخصیات کے متعلق تأثراتی شذرات پر مشتمل کتاب طویل عرصے تک مطالعے میں رہی۔[1] ذہن و دل نے مولانا لدھیانویؒ کی دلکش، سلیس، برجستہ اور خوب صورت تحریر کا اثر پوری طرح قبول کیا۔ متذکرہ کتاب میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے تذکرے کے ضمن میں بہ عنوان ''حضرت شیخؒ اور طحاوی شریف''،[2] شہید حضرت مولانا محمد امین اورکزئی رحمۃ اللہ علیہ کا نام پہلی بار پڑھا۔ ابتدائی تأثر یہی قائم ہوا کہ مولانا اورکزئیؒ، حضرت مولانا بنوریؒ کے ایک لائق شاگرد ہیں، علم حدیث اور اس کے متعلقات پر گہری نظر اور تحقیقی مزاج رکھتے

ہیں، پہلے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تدریس وتحقیق سے وابستہ تھے اور بعد میں اپنے آبائی وطن ہنگو ضلع کوہاٹ تشریف لے گئے۔ اس سے زیادہ جانا اور نہ جاننا ضروری سمجھا۔ طویل انقطاع کے بعد ایک مرتبہ پھر مولانا محمد امین اورکزئیؒ کا نام پڑھنے میں آیا، لیکن اب کی مرتبہ مثبت تأثر قائم نہ ہوسکا۔ حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کا واقعہ کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ومظلومیت اور حقانیت اور یزید کے فسق سے متعلق ایک مضمون مطالعے سے گزرا۔[3] مولانا محمد امین صفدرؒ نے اپنے مضمون میں شہید مولانا اورکزئیؒ کے بالمقابل اسلاف اہلِ سنت اور مولانا اورکزئیؒ کے محبوب استاذ اور مربی مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی تصریحات سے ثابت کردیا تھا کہ حضرات اہل سنت و جماعت دیوبند کے یہاں سیدنا حسینؓ کی مظلومیت، ان کے یزید کے خلاف اقدام کی صحت اور یزید کا فسق متفق علیہ ہے۔[4] فسق یزید کے باب میں ''سکوت مطلق'' اہل سنت کا مسلک نہیں، البتہ یزید کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں۔[5]

ایک طویل عرصے تک مولانا امین اورکزئیؒ کے حالات سے اس سے زیادہ واقفیت نہ ہوسکی۔ مولانا اورکزئیؒ کے حالات اور کمالات سے خاطر خواہ واقفیت اس وقت حاصل ہوئی جب مولانا مرحوم مرتبۂ شہادت پر فائز ہوکر اپنا خیمہ جنت میں لگا چکے تھے۔ اپنی ناواقفیت اور مولانا اورکزئیؒ کے کمالات دیکھ کر بے اختیار مولانا محمد علی جوہر کا شعر یاد آتا ہے ؎

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلائی بہار
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

مولانا امین اورکزئیؒ کے حالات اور بعض تصانیف اور احوال کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کی دینی، علمی، قلمی، روحانی خدمات اور سماجی وسیاسی جدوجہد کا دائرہ مختلف النوع ہے۔ علاقائی ومقامی سطح سے لے کر افغانستان سے جڑے عالمی معاملات میں بھی ان کے سماجی و سیاسی اثرات بہت گہرے ہیں۔ گویا مولانا اورکزئیؒ کی شخصیت تعلیم وتدریس، تصنیف وتحقیق، وعظ وخطابت، اصلاح وارشاد، سیاست وجہاد ہر پہلو سے قابل تذکرہ ہے ——— راقم کو اپنے بزرگوں کے باطنی اوصاف اور احسانی کمالات کے مطالعے سے شروع ہی سے دل چسپی رہی ہے۔ اسی کے زیر اثر حضرت مولانا اورکزئیؒ کے حالاتِ زندگی کے اس گوشے نے راقم ایسے سراپا

طالب دنیااور بندۂ نفس کے دل پر بھی اپنا اثر چھوڑا۔ صاحبزادہ گرامی مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ کا حکم اور برادر معظم مولانا محمد طفیل کا اصرار اس پر مستزاد تھا کہ حضرت شہیدؒ کی زندگی کے احسانی پہلو پر تو ضرور کچھ نہ کچھ لکھ دے۔ معاملہ اپنی حقیقی نااہلی اور خود ساختہ مصروفیات کے باعث ٹلتا رہا، یہاں تک کہ جس مقصد کے لیے مضمون کی فرمائش کی گئی تھی اس کا وقت بھی گزر گیا، یعنی سہ ماہی المظاہر حضرت مولانا محمد اورکزئی شہیدؒ پر اپنی خصوصی اشاعت شائع کر چکا تھا۔ برادرم مولانا محمد طفیل کے صبر واستقلال کی داد نہ دینا ناسپاسی ہوگی۔ انھوں نے اپنا اصرار اسی شدت سے جاری رکھا، ایسے میں تعمیل حکم کے طور پر جو کچھ بن پڑا اپنے نفس کو مخاطب بناتے ہوئے لکھ دیا گیا ہے، اگرچہ ؎

نفس سنتا ہی نہیں ہر چند کہتا ہوں سنبھل

کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان سطور کی برکت سے اور حضرت شہید کے کمالات کے طفیل اس عاجز کو بھی اپنے بحر فیض ناپید کنار کے ایک قطرے کا کروڑواں حصہ بھی عنایت فرمادے تو یہ روسیاہ غنی ہوجائے گا ؎

چشمۂ فیض سے گر ایک اشارہ ہوجائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

ـــــ ظفر اقبال

حواشی

۱- مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، شخصیات وتاثرات، کراچی: مکتبہ لدھیانوی، ۱۹۹۵ء۔

۲- ایضاً، صفحات ۲۹-۳۵۔

۳- مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، ''کھلا خط بہ نام مہتمم جامعہ یوسفیہ شاہودام بنگو ضلع کوہاٹ''، مشمولہ تجلیات صفدر، فیصل آباد: جمیعۃ اشاعۃ العلوم الحنفیہ، ۲۰۰۰ء، جلد اول، صفحات ۵۳۲-۵۴۸۔

۴- یزید لاریب في کونہ فاسقاً. [مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، معارف السنن شرح سنن الترمذي، کراچی: ایچ۔ایم۔سعید کمپنی، ۱۴۱۳ھ، موقف العلماء في یزید، جلد ۶، صفحہ ۸]

۵- اس سلسلے میں صاحبزادہ گرامی مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ نے مولانا اورکزئیؒ کا جو مؤقف نقل فرمایا ہے، اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

[۱] مولانا اورکزئی شہیدؒ کا یہ شکوہ کہ حضرت مولانا امین صفدرؒ نے مولانا اورکزئیؒ کا مضمون شائع کیے بغیر اپنا جوابی مضمون شائع کر دیا ——— [۲] ہنگو شیعہ سنی مسئلے کے حوالے سے بہت حساس علاقہ ہے، لہٰذا اس حساسیت کے پیشِ نظر اگر مسئلہ یزید یا ایسے دیگر موضوعات کو نہ بیان کیا جائے تو بہتر ہوگا ——— پہلے نکتے کے متعلق تو لاعلمی کے باعث کچھ کہنا ممکن نہیں، البتہ دوسرے نکتے سے اتفاق مشکل ہے، یہ مؤقف ہمارے اکابر کے مسلک سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہنگو شیعہ سنی تنازع میں لکھنؤ جتنا حساس نہیں ہوگا، جہاں پر صحابہ کرامؓ پر سرِ عام تبرے کو سرکاری جواز فراہم کیا گیا اور اس کا باقاعدہ قانون پاس کیا گیا تھا۔ جہاں تبرا ایجی ٹیشن چلی تھی۔ [تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر عبدالحئ فاروقی، امام اہل سنت حضرت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ ——— حیات وخدمات، لاہور: ادارۂ تحقیقات اہل سنت، ۲۰۰۹ء، صفحات ۲۵۵-۳۶۵] اس کے انسداد کے لیے اکابر اہل سنت کو سول نافرمانی کرنا پڑی اور مدح صحابہؓ کی تحریک چلانی پڑی۔ وہاں تو ہمارے بزرگوں کو کبھی خیال نہیں آیا کہ اس مسئلے کو نہ بیان کیا جائے۔ امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے رافضیت کی تردید کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنا لیا تھا، لیکن وہ لکھنؤ کے اس رافضیت زدہ ماحول میں بھی فسق یزید کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ ایک بدعقیدگی کو روکنے کے لیے دوسری بدعقیدگی پر سکوت مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

حب: مراتب سلوک کا اصل الاصول:

''حُب''، ہی وہ مرتبہ اور فضیلت ہے جس کی بنیاد پر ایک مشت خاک کو خلافت و نیابت الٰہی کی خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا گیا ہے، ورنہ معصوم ملائکہ طاعات وعبادات کے لیے بہت تھے، خواجہ میر دردؔ بہت پہلے فرما چکے تھے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

جس جذبے کو خواجہ میر دردؔ نے ''درد دل'' سے تعبیر کیا ہے، وہ فی الحقیقت محبت کا لازمہ ہے، جو ہر طرح کی پیش بینی و پیش بندی سے ماورا بس مقصود پر نظر رکھے ہوتی ہے، حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ انسان کی اسی صفت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

.....گفت و مارا **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ** گفت، گفتہ اند اگر این حدیث را باد لہا مناسبت نبود ے. دل خود دل نبود ے و اگر خورشید محبت بر جانہائے آدم و آدمیان نہ تافتے کار آدم چون موجودات دیگر بود ے۔[1]

''.....اور مومنین کے لیے فرمایا: **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ** لوگوں نے کہا کہ اگر اس حدیث محبت کو دلوں کے ساتھ مناسبت نہ ہوتی، تو دل، دل کہلانے کا مستحق نہ ہوتا۔ اور اگر عشق و محبت کا آفتاب آدم اور آدمیوں [کے جان و دل] پر ضیا بار نہ ہوتا تو آدم کا معاملہ بھی دیگر موجودات کی طرح رہ جاتا''۔

حُب ہی سے احسان اور مراتب سلوک کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ حضرات صوفیہ کے یہاں سالک مجذوب کو ''محبّ'' اور مجذوب سالک کو محبوب بھی کہا جاتا ہے۔ محبت کا درجہ اپنے کمال پر پہنچ کر عشق

کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مرزا رفیع سوداؔ نے اس جذبے کی بہت ہی دل آویز ترجمانی کی ہے ؎

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی سو عاشق کا دل بنا

محبت: غیر متغیر وجدانی کیفیت:

حضرت سیدنا علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہٗ [م ۴۵۶ھ] نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں ''محبت'' پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

و بمعنی لغت گویند کہ محبت ماخوذ است از حبّہ بکسر حاء و آن تخم ھای بود کہ اندر صحرا بر زمین افتد. پس حبّ را حُبّ نام کردند از انچہ اصل حیات اندر ان ست چنانکہ اصول نبات اندر حب چنانکہ تخم اندر صحرا بریزد و اندر خاک پنہاں شود۔ بار آنہا بر اں می آید، آفتاب ہا بر اں می تابد و سر ماو گرما بر اں می گزرد و آں بہ تغیر از منہ متغیر نگردد۔ چوں وقت وے فرارسد بروید و گل بر آرد و ثمرہ دہد و ہم چنیں حب اندر دل چوں مسکن گیرد، بحضور و غیبت و بلا و محنت و لذت و فراق و وصال متغیر نہ گردد۔[۲]

''لغت کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ محبت "حِبہ" [حا کی زیر] سے ماخوذ ہے اور یہ اس بیج کو کہتے ہیں جو صحرا میں زمین پر پڑتا ہے پس محبت کا نام ''حب'' رکھ دیا گیا کیونکہ زندگی کی اصل یہی ہے جس طرح کہ نباتات کی اصل بیج ہیں جس طرح بیج صحرا میں بکھرتے ہیں پھر وہ مٹی میں چھپ جاتے ہیں اس پر بارشیں ہوتی ہیں، سورج اس پر چمکتا رہتا ہے سردی اور گرمی کے موسم اس پر گزرتے ہیں اور وہ زمانوں کے بدلنے سے متغیر نہیں ہوتا لیکن جب اس کا وقت آجاتا ہے تو وہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھول اور پھل لاتا ہے اسی طرح جب محبت کسی دل میں ٹھکانہ بنا لیتی ہے تو حضور و غیبت آزمائشیں و محنت راحت و لذت اور فراق وصل کسی حالت میں متغیر نہیں ہوتی''۔

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ محبت ایک ایسی وجدانی اور ماورائے ادراک کیفیت ہے جس پر زمان و مکاں کی حد بندی اور حالات و انقلابات کا کوئی اثر نہیں ہوتا، محبوب ہمہ وقت محبّ کے سامنے موجود ہوتا ہے، آلام و نوائب، رنج و محن، مسرت و ابتہاج اور آزمائش و امتحان سب اس کے لیے برابر ہیں، اس لیے کہ اس کا صدور بارگاہِ محبوب سے ہو رہا ہے۔

محبوب کے ماسوا سب کچھ حجاب ہے:

البتہ جو شے محبوب کے وصل و تعلق میں حارج ہو وہ محبّ کے دشمنوں کے زمرے میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ اسے حجابات میں شمار کرتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

بجز حدیث دوست را اندر دل وے جائے نماند۔ چنانکہ چوں خداوند تعالیٰ خلیل را خلعت خلّت مکرم گردانید و خلیل مر خدمتِ حق را مجرد شد، عالم و عالمیاں حجاب وے شدند و وے بدوستی حق دشمن محب گشت، آں گاہ از حال او ر مارا خبر دار، **فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ.**[3]

''تو پھر دوست کی بات کے علاوہ اس کے دل میں کسی چیز کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ چناں چہ حق تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوستی کی خلعت سے نوازا اور وہ حق تعالیٰ کی بات کے سوا ہر چیز سے کنارہ کش ہو گئے تو یہ جہاں اور جہاں والے ان کے لیے حجاب بن گئے اور وہ حق تعالیٰ کی دوستی میں ان حجابوں کے دشمن بن گئے۔ ان کی اس حالت اور گفتگو کو حق تعالیٰ نے ہمارے لیے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: ''رب العالمین کے علاوہ وہ سب میرے دشمن ہیں''۔

عبودیت: اللہ تعالیٰ کی محبت کا راست ذریعہ:

عشق و محبت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ حاصل ''احسان'' بندگی اور عبودیت ہے۔ عبودیت فقط رسمی نماز روزے کی پابندی کا نام نہیں ہے بلکہ ''تفویض کُلّی'' سے عبارت ہے۔[4] بالفاظ دیگر عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات یہاں تک کہ ذوقیات تک محبوب حقیقی کی منشا و مراد کی اتباع و پیروی سے عبارت ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کی نسبت رکھتا ہو اور شریعت اور احکام خداوندی کی پیروی میں سستی و کسل مندی سے کام لیتا ہو ـــــ پوری شریعت اتصاف فضائل اور اجتناب رذائل سے عبارت ہے۔ رذائل سے اجتناب بندگی کی اساسیات کو محفوظ کرتا ہے اور فضائل سے اتصاف اسے صعود عطا کرتا ہے۔ اگر اس کلیے ہی کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ عاشق و سالک بدعقیدہ ہوگا نہ بدعتی، وہ احکام شرع کی پابندی میں سستی کا مرتکب ہوگا، نہ بد اخلاق اور ترش رو ہوگا، بس محبوب اور رضائے محبوب ہی اس کی طلب اور جہد کا میدان ہوگی۔ عارف کی اسی کیفیت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مولانا اورکزئیؒ لکھتے ہیں:

''ان کا ارادہ حق تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہوتا ہے، بلکہ اس میں فانی ہوا کرتا ہے۔**فأردنا فأراد ربك.**[5]

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ مقام احسان کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس ہستیٔ مطلق کو ہر دم خیال میں پرورش کرنا اور بلا کیف حاضر و موجود جان کر حیاو شرم کے ساتھ بندے [کا] مطیع رہنا، مقصد اصلی ہے اور یہی احسان ہے باقی زوائد''۔[6]

مشائخ صوفیہ نے مراتب تصوف کے ضمن میں ان سب کو سمو دیا ہے:

''عشق کے مراتب پانچ بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے مرتبے کو شریعت یعنی محبوب کے جمال کا شوق پیدا ہونے کے لیے خبر کا سننا۔ دوسرے مرتبے کو طریقت یعنی محبوب کا طالب ہو جانا۔ معشوق کی پے میں لگ جانا، طلب کا راستہ طے کرنا۔ تیسرے مرتبے کو حقیقت یعنی محبوب کے حسن، اس کی حضوری میں ہمیشہ رہنا۔ چوتھے مرتبے کو معرفت یعنی اپنی مراد [مطلب، آرزو، خواہش] کو محبوب کی مراد میں محو و گم کر دینا۔ مٹ جانا خود ملیا میٹ ہو جانا۔ پانچویں مرتبے کو وحدت یعنی اس میں فنا ہونے والے وجود کے ظاہر و باطن کو توڑ کر نابود کر دینا۔ محبوب ہی کو ظاہر و باطن میں موجود مطلق رکھنا''۔[7]

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے بندگی کے لوازم اور عبدیت کی اساسیات کی درجے بندی اس طرح فرمائی ہے:

بداں کہ اول مقام از مقامات دین یقین و معرفت است، پس از معرفت خوف خیزد، و از خوف زہد و صبر و توبہ خیزد، و از زہد و توبہ صدق و اخلاص و مواظبت بر ذکر و فکر بر دوام پدید آید، و از آں اُنس و محبت خیزد، و ایں نہایت مقامات است، و رضا و تفویض و شوق ایں ہمہ خود تبع محبت باشد۔[8]

''جاننا چاہیے کہ دین میں پہلا مقام یقین و معرفت ہے۔ پھر معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے زہد و صبر و توبہ پیدا ہوتے ہیں اور زہد و توبہ سے صدق و اخلاص اور ذکر و فکر پر مواظبت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس سے انس و محبت ظہور میں آتا ہے اور یہ مقامات کی نہایت ہے اور تسلیم و رضا و شوق یہ تبع محبت ہے''۔

عقیدے کی صحت بندگی کا جوہر:

اس اصول کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عقیدے کی صحت بندگی اور احسان کا جوہر ہے۔ منازل سلوک کا زینہ اول اور تربیت باطنی کی ابجد عقیدے کی اصلاح ہے۔ اگر کسی شخص کا عقیدہ درست نہ ہو یعنی محبوب کی منشا کے مطابق نہ ہو تو اس کے مجاہدات اور ریاضتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لیے مشائخ کرام طالبین و سالکین کی تربیت کی ابتدا ہی عقیدے کی درستی سے کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

لتربية السالكين درجات مرتبة فأول مايجب أن يتغير فيه العقيدة فاذا رغب امرؤفي سلوك طريق الله فمره اولا بتصحيح العقائد على موافقة السلف الصالح. [10]

''سالکوں کی تربیت کے واسطے درجات ہیں علی الترتیب۔ سو اول جس کا سنوارنا واجب ہے وہ عقیدہ ہے، تو جب کوئی شخص راہ خدا کے چلنے میں راغب ہو تو حکم کر اُس کو اول عقائد کے صحیح کرنے کا موافق عقائد سلف صالح کے''۔

حضرات صوفیہ اور مشائخ اہل سنت و جماعت کے مستند بیانات کے تفصیلی مطالعے سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت بدعقیدگی اور بے عملی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ ایک عاشق صادق کا دعویٰ محبت اسی وقت سچا مانا جاسکتا ہے کہ جب اس کا قول و فعل اس کے دعوے کی تصدیق کرے۔ حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ ہو بہو سلف کے نقش قدم پر تھے، آپ لکھتے ہیں:

''انسان کی بہتری اور فضیلت کا مدار عقیدے اور کردار کی پاکیزگی پر ہے''۔ [11]

توحید اور لوازم توحید: عبودیت کا اصل الاصول:

بندگی کو وجہ جواز ''توحید'' کی بدولت میسر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ذات کے اعتبار سے یکتا اور صفات کے لحاظ سے یگانہ تسلیم کرنا ''توحید'' ہے۔ تمام موجودات و مخلوقات اُسی کی محتاج ہے اور وہ تنہا غنی و بے نیاز ہے ——— شہید مولانا محمد امین اورکزئی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک تصنیف میں یقین و معرفت کی ان صفات کو ایمانی وجود کے ساتھ بیان کرتے ہیں، یہاں مولانا کی اس تالیف سے ان نکات کا ایک انتخاب ملاحظہ کیجیے:

[۱] ''مخلوق کوئی بھی ہو، اپنی ذات و صفات میں حق تعالیٰ کی محتاج ہوتی ہے''۔ [12]

[۲] ''تمام مخلوق کے علم کو حق تعالیٰ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرے کو بحر بے کنار سے ہوتی ہے۔ متناہی کو متناہی سے نسبت ہوسکتی ہے، لیکن لامتناہی سے نہیں''۔[۱۳]

[۳] ''بہت سے حقائق کونیہ ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں حتی کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل کشف عرفاء کو بھی تمام کونیات کا علم حاصل نہیں''۔[۱۴] ''اللہ تعالیٰ کے ذات وصفات کے لامتناہی بڑائی کے بعد مخلوق کے لیے تذلل''۔

[۴] ''نفع وضرر کے مالک فقط حق تعالیٰ شانہٗ ہیں''۔[۱۵]

صفات سلبیہ کا اعتراف بھی لازمہ توحید ہے:

محبوب حقیقی کی ایجابی صفات کے اقرار کے بعد سلبی صفات کی وضاحت بھی عقیدے کی صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر اسے پورے وفور اور شدت کے ساتھ رد نہ کیا جائے تو انسان اعتقادی طور پر اختلال اور تشکیک کا شکار رہتا ہے اور اس کے باطن میں بندگی راسخ نہیں ہو پاتی اس لیے کہ ایسی صورت میں غیر حق سے کلی انقطاع حاصل نہ ہو سکے گا، جب کہ فی الاصل یہ انقطاع ہی آثار محبت کا لازمہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

دوست آوارگی می خواہد تا از غیر او بکلیۃ انقطاعی حاصل گردد۔[۱۶]

''دوست آوارگی کا خواہش مند ہے تا کہ غیر سے بالکل انقطاع ہو جائے''۔

اور حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش فرماتے ہیں:

پس معرفت حیات دل بود حق و اعراض سر از دون حق و قیمت ہر کسی بہ معرفت بود و ہر کرا معرفت نباشد وی بی قیمت بود۔[۱۷]

''معرفت دل کی حیات ہے اور عارف ماسوا ذات الٰہی کسی کا پرستار نہیں ہوتا۔ ہر شخص کی قدر و قیمت بہ قدر معرفت ہوتی ہے اور جس شخص کو ذات وصفات الٰہی کی معرفت حاصل نہیں وہ قطعی بے قدر و قیمت ہے''۔

جو شخص حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وصفات میں مخلوق میں سے کسی کو شریک مانتا ہو وہ مقام بندگی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ حضرات صوفیہ ریا کو شرک قرار دیتے ہیں کہ مقصود ومطلوب بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ رہے تو وہ براہِ راست خدا تعالیٰ کے علم وارادے اور ذات وقدرت میں، معاذ اللہ مخلوقات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کب گوارہ کر سکتے ہیں۔

مولانا اورکزئی شہیدؒ کے یہاں شرک کی تردید بھی بالکل مجددی رنگ میں نمایاں نظر آتی ہے۔ مولانا مرحوم قرآن کے اسلوب توحید اور ردّ شرک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاں شرک کا شائبہ وتوہم ہو وہاں تعبیر میں توحید کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا جائے اور شرک کی بلیغ نفی کی جائے، **"فوجدا عبادا من عبادنا"**، امور خارقہ کا مظہر ہونے کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی تو اولاً اسے عبد ٹھہرایا گیا ——— ''بندہ'': معبودیت اور خواجگی کا تصور مٹایا، پھر وہ بھی ''منکر'' کہ ذو جہتین ہے، پھر **"من عبادنا"** بہت ساروں میں سے ایک کہ در اقدس پر حضرت خضر علیہ السلام تنہا نہیں اس جیسے بے شمار سجدہ ریز ہیں''۔ [18]

آج ہمارے سماج اور معاشرے میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کو نفع وضرر کا مالک اور حاضر وناظر مانا جاتا ہے، فی زمانہ حضرات صوفیہ کرام سے منسوب افراد ان امور کے زیادہ مرتکب نظر آتے ہیں جب کہ محقق صوفیہ اور مشائخ اہلِ سنت ہمیشہ ان امور کی تردید کرتے رہے۔ مولانا امین اورکزئی شہیدؒ بھی ان ہی محقق صوفیہ کے قدم بہ قدم تھے۔ لکھتے ہیں:

[۱] ''ہر نعمت عطیۂ حق ہے، خصوصاً اولاد عطا فرمانا اسی کا خاصہ ہے''۔ [19]

[۲] ''ان [انبیاء] کو علم کلی حاصل نہیں ہوتا نہ وہ ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہوتے ہیں''۔ [20]

[۳] ''نفع وضرر کے مالک فقط حق تعالیٰ شانہٗ ہیں''۔ [21]

شریعت اور اس کے لوازم:

شریعت چار امور کا نام ہے، عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات ——— عقیدے میں اختلال بڑھی ہوئی ''ذکاوت وذہانت'' کا نتیجہ ہوتی ہے، اخلاق میں اچھائی یا برائی میں ''طبیعت'' کا بڑا دخل ہے، معاملات کی صفائی و برائی ''ارادے'' کے مرہون کرم ہوتے ہیں جب کہ عبادات میں ذہن، ارادہ اور طبیعت تینوں قوتیں ہی فعال حیثیت رکھتی ہیں۔ سالک کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی وجود کے ان تینوں فعال مظاہر کو محبوب حقیقی کی دہلیز پر زیر بار کردے، تاکہ بندگی اپنے لوازم کے ساتھ تمام شرعی امور کا احاطہ کرلے اور قرآنی حکم: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ**

[الذاریات:۵۶] پر عمل کی توفیق میسر آسکے جو کہ بنائے تخلیق ہے ـــــ شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ سے کسی نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ متذکرہ آیت میں جنوں اور انسانوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ عبادت تو ساری مخلوق ہی کرتی ہے، فرمایا کہ ایک نوکر ہے اور ایک غلام۔ نوکر کا کام معین ہوتا ہے خواہ ایک یا متعدد.....اور غلام کی کوئی خدمت معین نہیں، تمام خدمات اس کے ذمے ہیں جس کا حکم ہو جائے۔[۲۲]

عشق کی لامحدودیت اور عقل کی نارسائی:

مولانا امین اورکزئی شہیدؒ کے شذرات کا مطالعہ اس بات کا ثبوت فراہم کر دیتا ہے کہ مولانا مرحوم نے انسان کی باطنی کیفیات اور ذہنی پرواز کا نہایت باریک بینی اور گہرائی سے ادراک کر رکھا تھا۔ وہ نفس انسانی کی خباثتوں اور کمالات دونوں سے پوری طرح واقف تھے۔ ذہن [یعنی عقل] کی اس خلقی کمزوری کو جانتے ہوئے کہ وہ کبھی محکوم بننا گوارہ نہیں کرتا، انھوں نے صاف لکھا ہے:

''حق تعالیٰ کا ہر کام و فیصلہ حکم و مصالح پر مشتمل ہوتا ہے **بمقتضی حکمته وان لم یکن الا صلح واجباً علیه وتدل علیه القصة بجملتها** انسانی عقل اس اسرار و حکم کا احاطہ نہیں کر سکتی، لہٰذا اپنی عقل کو نص و نقل کا تابع و غلام رکھیں، **ومن یکون اعقل من سیدنا موسیٰ علیه السلام** احکام الٰہیہ بلا چوں و چرا تسلیم کیجیے **کما یرشد الیه نهایة القصة**''۔[۲۳]

ذہن و عقل کی نارسائی اور طریقِ عشق کی لامحدودیت کی طرف مولانا اورکزئی شہیدؒ نے کتنے سادہ الفاظ میں کیسا واضح اشارہ فرما دیا ہے کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے انسان کو اوامر و نواہی کے اسرار و مصالح اور حکمتوں کے معلوم کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس نکتے کو بیان کرتے ہوئے حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ کے تربیت یافتہ حضرت عین القضا ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا ہی بلیغ اشارہ فرمایا ہے:

دیدۂ عقل از ادراک حقیقت عشق محجوب است۔ عقل را قوت دیدِ نورِ عشق نباشد، زیرا کہ عشق در مرتبۂ ماورائے عقل است۔ و خود در طورے دیگر عقل را قوت ادراک او نتواند بود۔ عشق دُرّیست در صدف جان نہان، و جان در درے قضا غوص کردہ، عقل بر ساحل دریای قضا متوقف می شود و از خوف

نہنگان بلا قدم پیش نتواند نہاد۔ ای درویش عقل استاد مکتب معاش و معاد است۔ اگر قدم دریں مکتب نہد اطفالِ این مکتب بہ آموختن ابجد عشق در کارش آرند۔ [۲۴]

''عقل کی بینائی عشق کی حقیقت دیکھنے سے محروم ہے۔ عقل کو وہ قوت دید ہی حاصل نہیں کہ نور عشق کا دیدار کر سکے، اس لیے کہ عشق کا مرتبہ عقل کی رسائی سے ماورا ہے۔ خود عقل کسی دوسرے طریق سے بھی عشق کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ عشق ایسا موتی ہے جسے روح کی سیپی میں پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ روح قضا کے دریا کی غواصی کرتی ہے جب کہ عقل دریائے قضا کے ساحل پر کھڑی رہتی ہے اور مصیبت کے مگرمچھوں کے خوف سے قدم آگے نہیں رکھتی۔ اے درویش! عقل دنیا و آخرت کے مکتب کی استاد ہے۔ اگر وہ عشق کے مکتب میں قدم رکھے تو اس مکتب کے بچے اسے عشق کی ابجد کا سبق دے سکتے ہیں''۔

طریق عشق میں خود اعتمادی کی مضرتیں:

ذہن و عقل میں یہ خودسری ''خود اعتمادی'' کی بدولت پیدا ہوتی ہے، یہی خود اعتمادی رفتہ رفتہ پختہ ہو کر انسان کو شیطان کے سپرد کر دیتی ہے۔ یعنی وہ انسان جو خود کو خدا کے سپرد کر دینے پر راضی نہیں ہوتا وہ شیطان کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتا ہے، ظلم تو یہ ہے کہ اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا، اللہ رب العزت نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [الحشر:۱۹]

''ان انسانوں جیسے مت بن جانا جنھوں نے خدا فراموشی [احکام الٰہی کے خلاف بغاوت] اختیار کی، [جس کی پاداش میں] اللہ تعالیٰ نے ان پر خود فراموشی طاری کر دی۔ یہی لوگ فاسق ہیں''۔

ایک مقام پر مزید ارشاد ہوتا ہے:

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ○ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ [الزخرف:۳۶-۳۷]

''اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا رفیق کا بن جاتا ہے۔ یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہ ہدایت پر آنے سے روک دیتے ہیں اور وہ اسی خیال میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں''۔

مولانا اورکزئی شہیدؒ نے انسانی نفس کی اسی کمزوری کا ادراک کرتے ہوئے لکھا:

''خود اعتمادی کے بہ جائے خدا اعتمادی کا اظہار کیا کرے''۔[۲۵]

بندگی: ام الفضائل:

جس شخص نے خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اسے دولت وصال عطا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر اسے ہستی مطلق کے ساتھ ذوقی حضور و تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔ عبدیت اپنی اصل میں اسی عاجزی اور سپردگی کی عملی صورت ہے۔ بادی النظر میں ''عبدیت'' کا اقرار ''انسانی آزادی'' کی سلبیت کا سب سے محرک اور فعال عنصر ہے، لیکن عارفین کی نظر میں بندگی اور عبودیت ہی وہ کمال ہے جس سے قرب و وصال کی حقیقی دولت میسر آتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا معنوی قرب و وصال ہمہ وقت حاصل تھا اور اس میں لحہ بہ لحہ صعود اور رفعت کی کیفیت تھی، لیکن معراج میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا ظاہری و حسی قرب بھی عطا فرمایا تو اس وقت بہ طور اکرام و اعزاز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لفظ ''عبد'' کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی سے اختیار فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ [بنی اسرائیل:۱] ـــــ مولانا امین اورکزئی شہیدؒ ''عبدیت'' کی اسی عظمت کی نشان دہی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عبدیت حق انسان کا سب سے بڑا کمال ہے اور بڑا اعزاز''۔[۲۶]

تنہا یہ ایک فقرہ ہی بہ مصداق دریا بہ کوزہ معرفت کی کل کائنات ہے۔ ظاہر بین یہ سمجھتے ہیں کہ بندگی کا اظہار اور عبدیت کا اعتراف کوئی فروتر بات ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور نسبت سے اہل ایمان کا، خواہ وہ کسی درجے کا بھی ہو، فرق مراتب اور حفظ مراتب میں لامتناہی درجے تفاوت کے باوصف ''نفس عبودیت'' میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک گونا اشتراک اتنی بڑی فضیلت ہے کہ کوئی دوسری فضیلت اس کی ہم سری نہیں کر سکتی۔

محبت الٰہی مقصود اعظم ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ عظمت الٰہی کا اقرار، توحید کی عظمت، شرک سے نفور بندگی کا لازمہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعوے کے سچا ہونے کی علامت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت بالاتفاق

اور بلا نزاع حضرات صوفیہ کے یہاں مقاصد حیات میں داخل ہے۔ حضرت مولانا فخر الدین مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے نامہ کرم میں سلطان جی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

اتفاق اصحاب طریقت و ارباب حقیقت است کہ اہم مطلوب و اعظم مقصود از خلقت بشر محبت رب العالمین است۔ [۲۷]

''اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور بڑا مطلوب رب العالمین کی محبت ہے''۔

محبت الٰہی اور محبت رسولؐ کے مابین ربط:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات ہی معرفت اور عشق کے لیے کافی ہے تو پھر محبوب رب جہاں سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ربط و تعلق کا کیا درجہ ہوگا، جنھیں خود خالق محبت نے اپنا حبیب قرار دیا ہے:

ألا وأنا حبيب الله ولا فخر. [۲۸]

''آگاہ ہو جاؤ! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ بات میں بہ طور فخر نہیں کہتا''۔

اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کوئی منافات نہیں ہے۔ محبت کی طلب اور رغبت کا اصول یہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے تو محبوب کی پسند خود بہ خود محبّ کی پسند بن جاتی ہے اور محبوب کی ناپسندیدگی محبّ کے لیے قابل نفرت ہو جاتی ہے۔ محبّ اپنی ذات سے فنا ہو کر محبوب کی صفات سے قائم ہو جاتا ہے ـــــ وہ شخص جو دعویٰ محبت کے باوجود اپنی بقا سے باقی ہو، جہان عشق میں مردود ہے، اسی لیے عارفین فنا کو بقا کا مقصود اور قبلہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام احمد غزالی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

خود را بہ خود، خود بودن دیگر است، و خود را بہ معشوق خود بودن دیگر۔ خود را بہ خود، خود بودن؛ خامی بدایت عشق است۔ چوں در راہ پختہ گی خود را نبود و از خود بر سد۔ ایں جا بود کہ فنا قبلۂ بقا آید، و مرد محرم شود بہ طواف کعبۂ قدس، و از سر حد فنا بہ خطۂ بقا تقل کند، و در ایں علم نہ گنجد الا از راہ مثال. [۲۹]

''وہ شخص جو اپنی بقا سے باقی ہوتا ہے، ایک دیگر پہلو ہے اور جو شخص بقائے معشوق کے ساتھ باقی ہوتا ہے، دوسری بات ہے۔ اپنی بقا سے باقی ہونا ابتدائے عشق کی

خامی ہے۔[خامی سے میرا پہلو یہ ہے کہ] راہ سلوک میں اسے پختگی حاصل نہ تھی اس لیے از خود معشوق کے سپرد پہنچ جاتا ہے۔اسی بنا پر اس مقام کے لیے کہا جاتا ہے فنا بقا کا قبلہ ہے۔کعبۂ قدس کے طواف سے بندہ محرم ہو جاتا ہے اور فنا کی حد سے نکل کر بقا کے دائرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔اس راستے میں شاہی اجازت نامے کے بجز علم کی کوئی گنجائش نہیں[یعنی علم کے ذریعے یہ راستہ طے نہیں ہوتا]''۔

مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے اس طرف کس والہانہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے ؎

بار دیگر از دل و از عقل و جاں بر خاستیم
یار آمد درمیاں، ما از میاں بر خاستیم
از فنا رو تافتیم و در بقا در بافتیم
بے نشاں را یافتیم واز نشاں بر خاستیم[۳۰]

''ہم دوبارہ دل، عقل اور جاں سے دست کش ہو گئے، جب محبوب ہمارے درمیاں آیا تو ہم اپنی ہستی کے احساس سے مبرا ہو گئے، ہم فنا سے اپنا چہرہ چمکا کر مقام بقا میں آ گئے، بے نشاں[اللہ تعالیٰ] کو پالیا اور نام ونشاں کو رخصت کر دیا''۔

اسی لیے حضرت سید علی ہجویری داتا صاحب قدس سرہٗ نے محبوب کی اتباع واطاعت ہی کو لازمہ محبت قرار دیا ہے۔حضرت سہیل بن عبداللہ تستری قدس سرہٗ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المحبة معانقة الطاعات ومبانية المخالفات.[۳۱]

''محبوب کے اوامر واحکام کی کامل اطاعت اور جن امور سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب محبت ہے''۔

حضرت سہیل عبداللہ تستری قدس سرہٗ کے متذکرہ جملے کی شرح کرتے ہوئے سید علی ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

محبت آں است کہ باطاعت محبوب دست در آغوش کنی و از مخالفت وی اعراض کنی از انچہ ہر گاہ دوستی اندر دل قوی تر بود فرمان دوست بر دوست آسان تر بود۔[۳۲]

''محبت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعتوں کے ساتھ اس کی آغوش میں چلا جائے اور اس کی مخالفتوں سے اعراض کرے اور نافرمانیوں سے الگ ہو جائے، اس لیے کہ

محبوب کی محبت دل میں جتنی قوی ہوتی ہے تو دوست کے فرمان کی پیروی دوست پر اسی قدر آسان ہوجاتی ہے''۔

ان امور پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''محبت الٰہی'' بندگی کا اصل الاصول اور احسان کا مقتضیٰ ہے، لیکن ندیم دوست سے دوست کی خوشبو آنا بھی عرفا وحکما کے یہاں مسلم ہے، اسی لیے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی اہل ایمان کو اپنے سے محبت کی وجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أحبوني بحب الله. [۳۳]

''مجھ سے اللہ کی محبت کی وجہ سے محبت کرو''۔

ایک سالک اور صوفی تو اپنی تمام تر جہد وسعی فقط اس امر کے اثبات میں صرف کرتا ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ سچا قرار پا کر قبولیت اختیار کرلے، لیکن محبوب مطلق جو عشق ومحبت کا مبدا ہے، اس نے اپنی رضا ومحبت کے کھرے اور کھوٹے ہونے کا پیمانہ ہی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [آل عمران:۳۱]

''[اے پیغمبر! لوگوں سے] کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا''۔

اتباع، محبت کا لازمہ ہے۔ اتباعِ رسالت کی برکت اور اہمیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے محبت کرنے والوں کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ اے میری محبت کے دعوے دارو! اگر تم میرے حبیب [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی اتباع کرو تو کیا میں تمھاری محبت کے دعوے کو شرف قبولیت بخشوں گا؟ ـــــ صرف یہی نہیں! بلکہ میں تمھیں اپنا محبوب بنالوں گا، اسی شرف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک عارف ارشاد فرماتے ہیں:

خاصیت آدم آں بس است کہ محبوبیش پیش از محبی بود، ایں اندک منقبتی نبود. [۳۴]

''انسان کی یہی خصوصیت اس کے شرف وتکریم کے لیے کافی ہے کہ محبّ ہونے سے قبل اسے محبوبی کا رتبہ حاصل ہوگیا، اور یہ اکرام کم نہیں ہے''۔

یعنی جب اتباع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت کوئی شخص خدا کا محبوب بن جائے گا تو اسے اللہ کی معرفت اور رضا کا حصول یقینی ہے، جو حاصل بندگی اور مقصود احسان ہے۔ مشائخ چشت میں سے ایک عارف فرماتے ہیں:

اتباع پیغمبر علیہ السلام می باید کرد، قولاً و فعلاً و ارادۃً تا محبت حق تعالیٰ بیابند۔ زیرا کہ محبت حق تعالیٰ بے اتباع پیغمبر میسر نیست و ایں آیت بخواند: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.**

''متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرور ہے۔ قولاً وفعلاً وارادۃً ہر طرح سے تا کہ محبت حق تعالیٰ کی دل میں قرار پکڑے اس واسطے کہ محبت خدا بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاصل نہیں ہوتی اور یہ آیت پڑھی ''[اے پیغمبر لوگوں سے] کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا''۔[۳۵]

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور تعلق کے لوازم کو بے شمار عنوانات کے تحت پھیلایا جاسکتا ہے لیکن اگر جامعیت اور اختصار کو ملحوظ رکھا جائے تو اس کے چند اہم تشکیلی عناصر یہ ہیں:

[۱] ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت۔
[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت۔
[۳] درود شریف سے تعلق اور کثرت کا معمول۔
[۴] حضرات صحابہ کرامؓ سے تعلق۔
[۵] بدعات سے کلیۃً اجتناب اور نفور۔
[۶] دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا استحضار۔
[۷] شفقت علی الخلق۔

مولانا محمد امین اورکزئی کی زندگی میں حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متذکرہ عناصر بہت ہی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

[۱] ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات شریفہ سے تعلق اور محبت ایمان کا جوہر اور اس کا سب سے مرکزی نکتہ ہے۔ اگر اس تعلق میں، معاذ اللہ، کہیں کھوٹ ہو یا نقص رہ جائے تو مسلمانی یا صاحب ایمان ہونے کا دعویٰ بے معنی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے امتیوں کو پہلے ہی اس حقیقت سے آگاہ فرمادیا تھا کہ:

لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین. [۳۶]

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد، ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں''۔

یہی وہ محبت ہے جو ضابطے اور مجرد قانون سے نکل کر جب جذبات اور سرشت میں داخل ہوجاتی ہے تو پھر آدمی کا رُواں رُواں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عشق میں سرشاری کی کیفیت اختیار کر لیتا ہے۔ حضرات صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم اس عشق ومحبت کے منتہائی نمونے اور کامل مظاہر تھے۔ تمام ہی عرفا اور حکما نے اسی قلزم محبت سے اپنی کشت جاں کو شاداب اور روح کو سیراب کیا ہے۔

حضرت مولانا امین اورکزئی شہیدؒ کی زندگی عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مظہر تھی۔ آپ کے حالات سے واقف افراد جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مولانا شہیدؒ کا تعلق جذبات کی حد تک بڑھا ہوا تھا جو ایک سیمابی حالت اور اضطرابی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کم ظرف آدمی اور ناقص سالک کے لیے اس مقام سے گزرنا مستقل آزمائش ہوتا ہے یا تو وہ غلو کا شکار ہوجاتا ہے یا پھر تفریط کا۔ حضرت مولانا اورکزئیؒ شدید محبت کے باوجود اس حسن اعتدال کا کامل مظہر تھے جس سے عشق رسالت کے ان کے باطن میں رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے۔ عظمت توحید کا اقرار اور حدود شرک سے اجتناب ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق ومحبت میں، معاذ اللہ، حارج نہیں ہوتا تھا۔ وہ برملا اس کا اظہار فرماتے تھے کہ:

''اگر ایک لمحہ بھی دھیان الٰہی کے مرآۃ میں دھیان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غافل ہوجاؤں تو خود کو مرتد محسوس کرتا ہوں''۔ [۳۷]

یہ فقرہ ایسے شخص کی زبان سے صادر ہوسکتا ہے عشق ومحبت جس کا حال بن چکا ہو اور باطن میں سرائیت کر چکا ہو۔ مولانا اورکزئیؒ مقام توحید سے پوری طرح آشنا اور شان رسالت کی نزاکتوں اور حدود سے کامل آگہی رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ معرفت الٰہی کا سراغ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر مل ہی نہیں سکتا ؎

خیر الوریٰ امامِ رُسل مظہرِ اتم
اُو از خدا و ہر چہ ازو منتشی ازو

اُو جانِ جملہ عالم و حق جانِ جاں شمار
حق را بغیر واسطۂ ذاتِ اُو مجو [۳۸]

''آپؐ بہترین مخلوق امام الانبیاء اور مظہر کامل ہیں۔ آپؐ خدا سے ہیں اور دوسری چیزیں آپؐ سے ہیں۔ آپؐ کو تمام کائنات کی روح اور حق تعالیٰ کی جانِ روح سمجھو، حق تعالیٰ کو آپؐ کی ذات گرامی کے واسطہ کے بغیر طلب مت کرو''۔

جس شخص کا استحضار الٰہی دھیان نبی میں حارج نہیں ہوتا ہو، کیا وہ اپنے کسی دانستہ عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، معاذ اللہ، اذیت کا باعث بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! ـــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت مولانا اورکزئیؒ کو اس درجے مطلوب بلکہ محبوب تھی کہ آپ اپنے ساتھ زیادتی کر جانے والوں کو محض اس وجہ سے معاف فرما دیا کرتے تھے کہ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں میں داخل ہونے کا شرف واعزاز حاصل ہے اور کل قیامت کے دن میرے ساتھ زیادتی کے باعث اگر اس کی پکڑ ہوگئی تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، معاذ اللہ، گرانی اور پریشانی کا باعث ہوگی۔ [۳۹]

عشق ومحبت کے مظاہر میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ محبوب کی ذات سے وابستہ اور اس سے منسوب اشیا کا بھی احترام کیا جائے۔ شہید مولانا اورکزئیؒ کے حالات اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات مقدسہ کا ذخیرہ موجود تھا، احترام وعقیدت کے باعث انھیں دیکھ کر مولانا کی حالت غیر ہو جاتی تھی، یہ ہی نہیں بلکہ وہ اشیا جنھیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کا امکانی شرف بھی حاصل ہوتا مولانا اورکزئیؒ ان کی توقیر وعظمت میں کوتاہی نہیں فرماتے۔ [۴۰]

مولانا کے ایک شاگرد نے جب انھیں مدینہ منورہ کی کھجوریں ہدیۃً پیش کیں تو انھیں شکریے کا جو خط لکھا اس کا لفظ لفظ جذبۂ عشق سے لبریز ہے، لکھتے ہیں:

''جب تمور مبارکہ کی تھیلی کھولی تو کیا کہوں حق تعالیٰ کے حضور تشکراً جبین نیاز رکھنے کے ساتھ آپ کے اس بے نظیر اکرام واحسان کا حق سپاس ادا کرنے کی ناتمام کوشش کی۔ قاری صاحب! اپنی سیہ کاریوں کی وجہ سے تو یقین ہے کہ دوست فداہ نفسی وعرضی [صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ] کی نگاہِ ناز میں پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستے کو چھوڑنے کی وجہ سے عتاباً رُخ مبارک ادھر نہیں فرماتے ہوں گے، لیکن عشق کا درس ہے ۔

اگر چہ دوست بہ یک جو نمی خرد مارا
بعالمے نفروشیم موئے از سر دوست'' [۴۱]

مولانا اورکزئی نے جب ہنگو میں اپنا مدرسہ ''جامعہ یوسفیہ'' کے نام سے قائم فرمایا تو آپ نے طلباء کو بلا کر تاکید فرمائی کہ یہاں اعمال کے اعتبار سے کوئی کوتاہی نہ ہو، میں نے اس مدرسے کے تمام اعمال خیر کے لیے نیت کی ہے کہ اس کا ہدیہ بارگاہ نبوی میں پیش کیا جائے، جب آپ حج پر تشریف لے گئے تو:

''آپ نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ یااللہ! جامعہ یوسفیہ میں جو بھی اعمال خیر ہوں انھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں قبول فرما''۔ [۴۲]

[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت:

شریعت کے اوامر ونواہی کی اتباع، سنت کی طرف رغبت اور اس کی پیروی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دوسرا بڑا تقاضا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من أحيا سنتي فقد أحبني [۴۳]

''جو میری سنت کو زندہ کرتا ہے وہ ضرور مجھ سے محبت کرتا ہے''۔

مشائخ تصوف کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع عین محبت الٰہی ہے۔ بالفاظ دیگر جو شخص جتنا متبع سنت ہو اسی قدر:

فـأو فر الناس حظا من متابعة الرسول أو فرهم حظا من محبة اللّٰه تعالىٰ والصوفية من بين طوائف الاسلام ظفر وا بحسن المتابعة. [۴۴]

''زاید محبت الٰہی کا بھی حصّے دار ہے اور تمام اسلامی طبقات میں صوفیہ ہی نے سب سے زیادہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہے''۔

حضرات صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیاں سنت کی اتباع سے معمور تھیں۔ مشائخ صوفیہ کے ہاں اتباع سنت صوفیانہ مجاہدوں سے بدرجہا افضل ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

فضیلت منوط بہ متابعت سنت سنیّہ او ست و مزیّت مربوط بہ اتیان شریعت او عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ وَ التَّحِیَّۃُ. مثلاً خواب نیمروزی کہ از روی این متابعت واقع شود، از کرور کرور احیای لیالی کہ نہ از متابعت است، اولی و افضل است و ہمچنین افطار یوم فطر کہ شریعت مصطفوی بہ آن امر فرمودہ است، از صیام آبَد اَلآبَاد کہ نہ مأخوذ از شریعت اند، بہتر است. اعطاء جبتیلی [نوعی از سکہ وفلس] بہ امر شارع، از اِنفاق کوہ زر کہ از نزد خود باشد، فاضلتر است.[45]

''فضیلت تمام تر سنت سنیہ کی اتباع سے وابستہ اور امتیاز و اعزاز شریعت پر عمل سے مربوط ہے، مثلاً اتباع سنت کی نیت سے دوپہر کا سونا کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو اس تابع داری کے موافق نہ ہو۔ ایسے ہی عید کے دن کھانا، جس کا شریعت نے حکم دیا ہے، خلاف شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم سے ایک چیتل [پیسے یا سکے وغیرہ] کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کر دینے سے افضل ہے''۔

ان ہی ہدایات کی بنا پر علمائے حقانی کے یہاں اتباع سنت پر بہت زور دیا جاتا ہے، بلکہ اتباع سنت سالک کے دعوائے عشق کی کسوٹی ہے۔ اسی جذبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محبوب الٰہی سلطان جی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

استقامت می باید کہ بر متابعت رسول علیہ السلام و الصلوٰۃ باشد و ہیچ مستحبے و آدابے از و فوت نشود۔[46]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور متابعت پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانی چاہیے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے''۔

مولانا امین اورکزئی کے تلامذہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

''میں نے سنن عادیہ و شرعیہ بھی قصداً کبھی نہیں چھوڑیں''۔[47]

سنت کی طرف رغبت میں مولانا اورکزئیؒ کی کیفیت ایک ایسے صاحب حال مضطرب کی سی ہوگئی تھی کہ وہ عالم جذب و مستی میں فرماتے تھے کہ:

''زندگی کا معاملہ غیر اختیاری ہے، ورنہ اپنے اختیار سے کبھی سنت کے خلاف نہیں کیا، اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں مسنون عمر کی موافقت میں خودکشی کر لیتا۔''[48]

اللہ تعالی نے ایسے جذبۂ صادق کے حامل صوفی کی خواہش بلکہ تڑپ کو قبولیت بخشی، آپ کو عام موت نہیں بلکہ شہادت کی موت ''عمر مسنون'' کے ساتھ نصیب فرمائی۔

[۳] درود شریف کے ساتھ تعلق:

درود شریف کی فضیلت اور اہمیت کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ارسال درود کا فقط حکم ہی نہیں دیا بلکہ خود بھی اپنی شان کے اعتبار سے عملاً اس میں شریک ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ [الاحزاب:۵۶]

''اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں''۔

حضرت مولانا امین اورکزئیؒ کی ذاتی زندگی میں اور عوام وخواص کے مابین درود شریف کی ترویج واشاعت کی غیر معمولی کوشش نظر آتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت مضبوط تھا۔ روزمرہ کی تدریسی، سماجی، علمی، قلمی مصروفیات اور دیگر اوراد و وظائف کے ساتھ پانچ ہزار مرتبہ درود شریف جس شخص کے معمولات یومیہ میں داخل ہو[۴۹] اس سے اس تعلق کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

درود شریف کی مقبول ترین کتاب ''دلائل الخیرات'' کی اشاعت وترویج میں مولانا اورکزئیؒ کا جو حصہ ہے وہ بھی آپ کا قابل تقلید وصف ہے۔ ''دلائل الخیرات'' کی تلاوت میں آپ کا ایک مخصوص انداز تھا، جسے مولانا اورکزئیؒ نے اپنے مشائخ کرام سے ورثے میں پایا تھا۔ ''دلائل الخیرات'' کے مقدمے میں جو کچھ مولانا نے لکھا ہے ایسا لگتا ہے عقیدت سے مملو دل نکال کر رکھ دیا، جذبات اور وارفتگی نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی ہے، ملاحظہ کیجیے لفظ لفظ سے درود شریف کی عظمت، اہمیت اور عقیدت چھلکی پڑ رہی ہے:

''[۱] دلائل شریف کا ورد کرنے میں وہی نیت ہو جو کہ دعاء النیۃ میں مذکور ہے صرف کتاب کی تلاوت مقصد نہ بنائیں بلکہ مقصد تو درود شریف ہو یہ کتاب اس کے لیے ذریعہ سمجھیں۔

[۲] درود شریف کی فضیلت میں قرآن حکیم اور صحیح احادیث میں وارد نصوص پیش نظر رکھیں، پڑھتے وقت اخلاص وادب کے ساتھ ان فضائل کا شعور واحساس بے حد مفید ہے۔

[۳] دلائل کا ورد دوسرے اکابر کے ساتھ ساتھ ہمارے دیوبند مشائخ کا معمول رہا ہے بلکہ شیخ الطائفۃ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کے بارے میں معروف ہے کہ آپ سفر وحضر میں تین کتابیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، قرآن مجید، مثنوی شریف اور دلائل الخیرات اور حضرت مولانا بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ورد ایک کامل متبع سنت مرشد کے ہاتھ پر بیعت کا کام دیتا ہے، حضرت والا کے اس ارشاد کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے: "من صلی علی مرة صلی الله علیه عشراً" وفی روایة عند الدارمي" صلی الله وملائکته علیه سبعین مرة" اور قرآن حکیم میں ہے: "هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" اور ارشاد ہے: "اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ" بہ مقتضائے حدیث درود شریف پڑھنے والے پر حق تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے صلوۃ کا نزول ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے بتلایا کہ جس پر حق تعالیٰ، فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ کا نزول ہوتا ہے وہ ہر قسم کے ظلمت شرک، ظلمت کفر، ظلمت فسق، ظلمت شک ونفاق اور ظلمت غفلت وغیرہ سے نکل کر نور ایمان، نور توحید، نور اخلاص، نور طاعت اور نور ذکر میں داخل کرایا جاتا ہے اور یہ ہی صحیح شرعی بیعت کا مقصد ہے۔

[۴] کوئی بھی ذکر ہو اس پر مداومت بہت مفید ہوتی ہے خصوصاً درود شریف کا ورد پابندی کے ساتھ کیا جائے، ناغے کی صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اقدس کی پریشانی کا احتمال ہے [والعیاذ باالله] اور حدیث میں آیا ہے کہ درود وسلام پڑھتے وقت حضور محبوب کبریا کی روح طیب واقدس پڑھنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور شرف جواب سے سرفراز فرماتی ہے، یہ نعمت عظمیٰ جس کے مقابلے میں ایک عاشق کی نظر میں ہفت اقلیم تو کیا ہشت بہشت بھی ہیچ ہیں چھوٹ جانا اور معدن مروت وکرم بالمؤمنین رؤف رحیم آقا کو اپنے جس حقیر ہدیے کا عادی بنایا تھا اس کے پیش کرنے میں کوتاہی کرنا نگاہ عشق وقانون محبت میں کتنا خسارہ ہے اور کتنا جرم، بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

[۵] کتاب میں جہاں کسی پیغمبر یا فرشتہ یا صحابی یا مقدس شخصیات کا ذکر آئے تو قاری اس سے پہلے سیدنا اور اگر مستورات میں سے ہو تو سیدتنا کا اضافہ کرے۔

[۶] اس سلسلے کے مطابق ورد کرنے والے حضرات پہلے کسی ایسے صاحب کو یہ کتاب سنائیں یا ان سے سن لیں جو اسی طریقے میں مجاز ورد کرنے والا ہو۔

[۷] دلائل الخیرات کے بعض الفاظ میں کچھ احباب کو شاید تردد ہو اس لیے چند وضاحتی جملے عرض خدمت ہیں:

[الف] اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمت یا غیاث یا کاشف الکرب قسم کے الفاظ جو آئے ہیں اگر خلجان ہو تو ان کو حضرت کی دنیا میں حیات طیبہ اور حشر میں آنے والی حالت پر حمل کریں۔

[ب] **"ونوراً علی نوره الذی منه خلقته"** کو عالم ارواح میں خلق پر حمل کیجیے عالم ناسوت میں خلق مراد نہ لیں یا اس کا تعلق خلق روح سے جوڑ دیں جسم اطہر سے نہیں۔

[ج] خطاب نداء کا ذکر جہاں ہو رہا ہو وہاں یہ تصور کیجیے کہ میری آواز فرشتے خدمت اقدس میں پہنچا رہے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ذہن میں، اپنے تصور میں لا کر خطاب کریں یا اپنے آپ کو روضہ اقدس پر ذہناً حاضر تصور کر کے پڑھیں اور وہاں تو جمہور اہل سنت کے نزدیک سماع مسلم ہے۔

[د] توسل کا ذکر جہاں آیا ہے تو یہ جمہور اہل علم کے متفقہ مسلک کے مطابق ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی تاویل کے ساتھ توسل بالذوات کے جواز کے قائل ہیں۔ **"کما هو مصرح فی کتابه اقتضاء الصراط المستقیم"**۔

[ھ] **حتی لا یبقی من الرحمة شئی** وغیرہ میں صفات خداوندی کی محدودیت کا جو شبہہ پیدا ہوتا ہے اس کے کئی جواب ہیں: اولاً: یہ الفاظ ماثور ہیں سمجھ میں نہ آئیں تو متشابہات میں سے سمجھیں۔ ثانیاً: ان الفاظ سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ کنایہ ہیں، کثرت سے جیسا سبعین وغیرہ محدود عدد کے الفاظ کثرت سے کنایہ کے لیے آتے ہیں۔ ثالثاً: رحمت، برکت، سلام وغیرہ صفات کے افراد تو لا متناہی ہیں لیکن انواع متناہی ہیں، یہاں تناہی انواع مراد ہے نہ کہ تناہی افراد اور پھر بھی اگر خلجان ہے تو ہمارے بعض مشائخ نے اس کے بجائے متبادل غیر موہم الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ استعمال کریں"۔[۵۰]

ان نکات پر اگر شرح وتفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے تو ایک بسیط مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔صرف نکتہ نمبر۴ میں بیان کیے گئے حقائق پر غور کرنے سے ہم ظاہر بیں افراد تک ایک جانب اپنے باطن میں ایک وجدانی سی کیفیت محسوس کرتے ہیں تو دوسری طرف قلب اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی، معاذ اللہ، ''پریشانی'' کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور معلوم ہوجاتا ہے کہ درود شریف کا ارسال کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اگر ایک طرف سعادت وفلاح کے دروا کردینے کا سبب بن سکتا ہے تو دوسری طرف ذرا سی کوتاہی و بے ادبی ایمان واعمال سے تہی قرار دے دیے جانے کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوسکتا ہے، اسی لیے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

إذا صليتم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فأحسنوا الصلاة عليه، فإنكم لا تدرون لعل ذلك يعرض عليه. [۵۱]

''جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھو تو اچھے پیرائے میں پڑھو، ہو سکتا ہے کہ وہ [قبولیت کے ساتھ] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیا جارہا ہو''۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کا پہلا نکاح اوائل شباب میں ہوا تھا۔ اس وقت آپ کا معمول تھا کہ رات کو سونے سے قبل تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ کرتے تھے۔آپ کے مرید رئیس احمد نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''قطب الدین سے ہمارا سلام کہو اور یہ کہ وہ جو ہدیہ بھیجا کرتے تھے وہ تین دن سے نہیں ملا، کیا بات ہے؟''۔

حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ پر اس خواب کا اتنا اثر ہوا کہ زوجہ محترمہ سے علیحدگی اختیار کرلی۔[۵۲]

یہی وہ احتمال تھا جسے مولانا اورکزئی نے اپنے متذکرہ اقتباس میں ''قلب اقدس کی پریشانی'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔اللہ تعالی ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے اور اپنے عقائد واعمال، اخلاق، معاملات اور رویوں سے قلب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت اور فرحت کا ذریعہ بنائے۔یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب طہارت اور بارگاہ نبوی کے استحضار کے ساتھ درود شریف پر مواظبت نصیب ہوجائے۔آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

[۴] حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق:

''ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست'' کے تحت محبوب کے دوستوں، جانثاروں، فدائیوں اور تعلق داروں سے محبت فی الاصل محبوب سے محبت کا لازمہ ہے۔ محبوب کے دوست تو بڑی چیز ہیں، عاشق کے لیے تو محبوب کے آستانے کی دھول بھی "کحل الجواهر" ہے:

حب الرسول صلى الله عليه و آله وسلم محمود لأنه عين حب الله تعالى، وكذلك حب العلماء والاتقياء، لأن محبوب المحبوب محبوب، ورسول المحبوب محبوب، و محب المحبوب محبوب وكل ذلك يرجع إلى حب الأصل فلا يتجاوزه إلى غيره. [۵۳]

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت محمود ہے کیوں کہ یہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ اسی طرح علما اور متقی لوگوں سے محبت بھی اللہ تعالیٰ سے ہی محبت کرنا ہے کیوں کہ محبوب کا محبوب نیز محبوب کا رسول اور محبوب کا محبّ بھی محبوب ہوتا ہے اور ان سب سے محبت اصل سے محبت کی طرف لوٹتی ہے [یعنی اللہ تعالیٰ سے ہی محبت ہے] اس کے غیر کی طرف تجاوز نہیں کرتی''۔

حضرات صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کا مدار ایمان اور معیار حق ہونا قرآن وسنت کے نصوص اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ چند متجددانہ رجحان فکر کو چھوڑ کر اہل سنت وجماعت کی علمی وفکری روایت کا ہر منہج ومکتب اور فرد حضرات صحابہ کرامؓ سے عقیدت ومحبت کو لازمہ ایمان اور ان کی اطاعت کو ضروری جانتا ہے۔ اس لیے حضرت مولانا اورکزئیؒ بہ طور اصول فرمایا کرتے تھے:

''ہمارے پاس تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کی واحد اساس ''حبّ صحابہؓ'' ہے، اس پر ہر کلمہ گو متفق ہوسکتا ہے''۔ [۵۴]

حضرات صحابہ کرامؓ کا علی الاطلاق صفت عدل سے متصف ہونا اتنی بڑی حقیقت ہے کہ تنہا یہی معرفت اور انکشاف حفاظتِ دین، روایتِ دین، تدوینِ دین، تکمیلِ دین اور تمکینِ دین کا سب سے محکم اور راست ضامن وذریعہ ہے۔ یہ نکتہ اتنا بدیہی ہے کہ اس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مولانا اورکزئیؒ اپنے زمانہ طالب علمی کی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

''دین کا علم وہ ہے جو کتاب اللہ، اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقوال واعمال صحابہؓ سے ہمیں حاصل ہو، تو معلوم ہوا کہ دین کی تکمیل صحابہؓ کے دور میں ہوگئی''۔ [۵۵]

اگر صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو، معاذ اللہ، ثقاہت سے دور اور خیانت سے متصف مانا جائے تو پورے دین کا ابطال لازم آتا ہے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالی نے اپنے دین کی تکمیل کی خبر اور اسلام سے بہ طور دین راضی رہنے کی سند سناتے ہوئے جن نفوس قدسیہ کو بالذات مخاطب بنایا وہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں، بعد کی پوری امت تبعاً اس فضیلت میں شریک ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدہ:۳]

''آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا''۔

حضرات صحابہؓ کو عادل نہ ماننے میں جو دیگر بڑی گستاخیاں اور جسارتیں مضمر ہیں وہ یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید کی ان تمام آیات کی تکذیب لازم آتی ہے جن میں اللہ تعالی نے حضرات صحابہؓ کے مناقب بیان فرماتے ہوئے انھیں مدار ایمان قرار دیا ہے۔ معصیت، گناہ اور خیانت کے ساتھ اللہ تعالی کی دائمی رضا جمع نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى [النساء:۹۵]

''اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے''۔

اسی طرح رشد و ہدایت اور دانستہ معصیت و خیانت کا آپس میں کوئی میل نہیں، اللہ تعالی کا صحابہ کرامؓ کے متعلق ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ [الحجرات:۷]

''یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں''۔

اور پھر ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالی کا، معاذ اللہ، خائنین کو لوگوں کے ایمان و اعتقاد کے لیے بہ طور معیار پیش فرمانا قابل تعجب معلوم ہوتا ہے:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا [البقرۃ:۱۳۷]

''تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں''۔

قرآن مجید میں حضرات صحابہؓ کے مناقب و فضائل کے حوالے سے اس نوعیت کی آیات کا اچھا خاصا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اگر ان فضائل کے باوصف صحابہؓ غیر صالح اور خائن ہوں تو اس سے، معاذ اللہ، قرآن مجید کی تکذیب کے ساتھ اللہ تعالی کی تکذیب بھی لازم آتی ہے۔ اس

لیے اہل سنت و جماعت اس باب میں متفق ہیں کہ صحابہ مخلوق میں سے کسی کی تعدیل وتوصیف کے محتاج نہیں ہیں:

فلا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله تعالى لهم، المطلع علىٰ بواطنهم، الىٰ تعديل أحد من الخلق له. [۵۶]

''حضرات صحابہؓ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں، اللہ تعالی جو ان کے باطن پر مطلع ہے اس کی تعدیل کے ساتھ اور کسی کی ضرورت نہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کے فرداً فرداً مناقب بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ من حیثیت الطبقہ فضائل بیان فرمائے ہیں اور نجات یافتہ گروہ کی علامت :مَـا اَنَـا عَـلَيْـهِ وَاَصْـحَابِیْ . [۵۷] [کہ نجات یافتہ گروہ میرے اور میرے صحابہؓ کے طریق پر ہوگا] بیان فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے افراد امت کو اللہ کا واسطہ دے کر اپنے بعد حضرات صحابہؓ پر جرح و تنقید سے منع فرماتے ہوئے ان سے محبت کو اپنی محبت کی علت قرار دیا اور صحابہؓ سے بغض کو اپنے سے بغض کا سبب قرار دیا:

الـلّـه الـلّه في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم، فببغضي أبغضهم. [۵۸]

''اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہؓ کے بارے میں، میرے بعد ان کو ہدفِ تنقید مت بنانا۔ جس نے صحابہؓ سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر''۔

یہ حکم صحابہ کرامؓ سے بلا چوں چرا اور بلا جرح وتنقید محبت کی مستقل دلیل ہے۔

ان دلائل کی بنیاد پر حضرات صحابہ کرامؓ پر تنقید نہ صرف اللہ تعالی کے ارشادات اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی عملاً تکذیب پر دلالت کرتے ہیں بلکہ اس میں دو خطرناک اعتقادی گمراہیاں اور بھی پوشیدہ ہیں: ایک، اسلام کی طرف تشکیک کی نسبت، دوسرے، یہ اسلوبِ جرح معلم کائنات اور مربی کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ صحبت، اعجازی تربیت، تزکیے، تصفیے اور شان مشیخت پر انگلی اٹھانے کے مرادف ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک کی طرف سے مامور تھے ـــــ تلامذہ یا مریدین اپنے استاذ یا شیخ کے حال پر عملی شہادت ہوتے ہیں۔ مریدین کی خوش خلقی یا تلامذہ کی ذی استعدادی کے باعث استاذ یا شیخ کی نسبت تعلق اور اعتماد کا بڑھنا لازم ہے۔ جس شخص کے تمام قابل ذکر مریدین، بہ استثنائے چند، عملی

واخلاقی اعتبار سے پست ہوں یا جس استاذ کے شاگردوں کی اکثریت نالائق ہو، وہاں استاذ یا شیخ کی نسبت بداعتقادی کا پیدا ہوجانا مستبعد نہیں ہے۔ حضرات صحابہؓ کو عادل اور تنقید سے بالاتر سمجھنے ہی سے حفاظت دین اور اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام وفرامین پر ایمان قائم رہ سکتا ہے۔ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے مولانا اورکزئی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین عطا کیا گیا اور آپ سے پھر ہمیں ملا تو اس میں دو واسطے ہیں ایک واسطہ ہے نبی سے اوپر کی طرف اور ایک ہے نیچے کی طرف، اوپر کی طرف حضرت جبریلؑ ہیں اور نیچے حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، اگر اوپر والے واسطے کو مطعون کیا جائے تو دین ہی ختم ہوتا ہے اور اگر نیچے والا ساقط کیا جائے تو دین کا عہد نبوت میں انحصار لازم آتا ہے، نیز صحابہ کرامؓ دین کے ہم تک پہنچنے کے وسائط ہیں، اگر ان پر جرح وتنقید کر کے انھیں نا قابل اعتبار بنایا جائے تو سارا دین ہی نا قابل اعتبار رہ جائے گا، یہ ایک بہت ہی خطرناک فتنہ ہے''۔ [۵۹]

ایک اور مقام پر مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

جس طرح سنت رسولؐ پر کسی کو نقد وتبصرے کا حق حاصل نہیں اسی طرح سنت خلفاءؓ اور اقوال وافعال صحابہؓ پر بھی کسی کو پرکھنے، تنقید وتبصرے کا حق حاصل نہیں۔ ان پر تنقید اور تبصرہ خود خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر کے انھیں ہمارے لیے ذریعہ ہدایت ٹھہرایا ہے، اس کے بعد کسی دوسرے کو تنقید و تبصرے کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ [۶۰]

صحابہ کرامؓ کے متعلق حسن اعتقاد کے اس رویے اور طرز عمل پر حضرات صوفیہ بھی محدثین، فقہا اور متکلمین کے شانہ بہ شانہ ہیں۔ مولانا امین اورکزئی بھی چونکہ اہل حق کے اسی طبقے سے وابستہ تھے اس لیے آپ بھی اولاً اسلاف کی اتباع میں اور ثانیاً بالتحقیق صحابہ کرام سے متعلق محبت وعقیدت کا بے لچک اور دوٹوک مؤقف رکھتے تھے۔

مولانا اورکزئیؒ کا اوائل شباب میں اپنے علاقے ہنگو میں جماعت اسلامی کے بعض اہل علم افراد مرحوم مولانا محمد سلیم اور مولانا محمد داؤد کے ساتھ تحریری مکالمہ ہوا تھا۔ اس مکالمے میں ''عصمت انبیا'' اور ''عدالت صحابہ'' کے موضوع پر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے مؤقف کی تردید و تغلیط اور اہل سنت وجماعت کے اجماعی واعتقادی نقطۂ نظر کی حمایت میں مولانا اورکزئیؒ نے جو

دلائل دیے ہیں وہ اصولی قواعد اور مسلمات کے اعتبار سے بہت ہی نادر اور قیمتی ہیں۔ اس مکالمے میں ''عدالتِ صحابہ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی جماعت موصوف بالعدل ہے اور ان پر جرح و تنقید جائز نہیں...... [صحابہ کرامؓ پر] الزامات صریحاً ''عقیدۂ عدالت'' اور "کف اللسان عن ذکرھم إلا بخیر" کے عقیدے کے منافی ہیں۔ حضرت عثمانؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت مغیرہؓ وغیرہ اکابر کے خلاف زبان درازی اس کے علاوہ ہے''۔[۶۱]

اگر صحابہؓ اپنے کردار کے لحاظ سے معیار اور مثالی نہ ہوں تو انھیں محض ان کے اقوال یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف روایت میں سچا مان لینے کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ بالفاظ دیگر جو افراد اپنی باقی ماندہ زندگی میں عادل اور صاحب نہ ہوں انھیں محض ''روایت'' میں عادل مان لینا حماقت کے سوا اور کیا ہے؟ حالاں کہ یہ مسلمہ ہے کہ افراد کا کردار ان کے اقول کی سچائی کی کسوٹی ہوتا ہے۔ قول و عمل کی یک جائی انسان کو صالح اور پاک باز بناتی ہے ـــــ لغوی اعتبار سے بھی عدالت مقبول الشہادۃ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی راست کردار، پاک باز اور صادق القول ـــــ امام غزالی قدس سرہٗ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

والعدالة: عبارة عن استقامة السيرة والدين. ويرجع حاصلها، إلى: "هيئة راسخة في النفس، تحمل على ملازمة التقوى والمروءة جميعاً"، حتى تحصل ثقة النفوس بصدقة. فلا ثقة بقول من لا يخاف اللّٰه تعالىٰ خوافاً وازعاً عن الكذب. ثم لا خلاف في أنه لا يشترط العصمة من جميع المعاصي. ولا يكفي - أيضاً - اجتناب الكبائر، بل من الصغائر ما يرد به، كسرقة بصلة، وتطفيف حبة - قصداً.[۶۲]

''روایت اور شہادت میں عدالت کا معنیٰ یہ ہے کہ [راوی اور شاہد کو] دین میں استقامت حاصل ہو۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے نفس میں ایک ایسی پختہ قوت ارادی پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ تقویٰ اور سنجیدگی کو اپنی عادت بنالے حتیٰ کہ لوگوں کو اس کی سچائی پر اعتماد حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اس شخص کے قول کا کوئی اعتماد نہیں جس کو خدا کا خوف جھوٹ سے نہیں روکتا۔ نیز اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں

کہ عدالت کے لیے تمام گناہوں سے عصمت شرط نہیں اور صرف کبائر سے اجتناب کافی نہیں بلکہ ان صغیرہ خسیس گناہوں سے بھی بچنا لازمی ہے جو ردشہادت کا سبب بنتے ہیں جیسے قصداً پیاز [جیسی معمولی چیز] چرانا اور دانہ بھر مقدار میں ناپ تول میں کمی کرنا''۔

معلوم ہوا کہ عدالت کے مفہوم میں راوی کا صرف صادق القول ہونا کافی نہیں بلکہ اس کی کُل زندگی کا تقویٰ و پرہیز گاری سے عبارت ہونا ضروری ہے کہ وہ کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر اصرار سے بچتا ہو ـــــ حضرات صحابہ کرامؓ کی مدح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰـكِنَّ اللّٰـهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ. [الحجرات:۷]

''لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمھارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا''۔

فسق اور عصیان فقط کذب لسانی کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کے جملہ امور کو محیط ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفر، فسق و عصیان کو صحابہؓ کے قلوب کے لیے ناپسندیدہ اور مکروہ بنا دیا تو اس میں کذب لسانی اور کردار کی خرابی دونوں سے کراہت شامل ہے، یہی قرآن کی متذکرہ اور دیگر آیات **ویـزکیھم** اور **ھم الراشدون** کا مقتضیٰ ہے۔

متذکرہ اقتباسات میں مولانا اورکزئیؒ نے صحابہ کرامؓ سے متعلق دونوں امور، یعنی ان کے عدالت سے متصف ہونے اور جرح و تنقید سے بالاتر ہونے، کو ''اعتقادی'' حیثیت سے پیش فرمایا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے تعلق، محبت اور استناد و استشہاد کی نوعیت تاریخی نہیں اعتقادی ہے۔ ناقدین صحابہؓ پر جرح و تنقید خود دینی حمیت کا تقاضا ہے، ہرگز تخریب کاری نہیں۔ امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں :

إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق؛..... وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، و هم زنادقة. [۶۳]

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ میں کسی ایک کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے ..... یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے [دین کے] گواہوں پر جرح کر کے کتاب و سنت کو اُڑا کر رکھ دیں۔ یہ

جارحین خود جرح کے زیادہ لائق ہیں اور سب کے سب زندیق ہیں''۔

حضرات صحابہؓ کے اقوال و اعمال کی حجیت پر مولانا اورکزئیؒ نے اعتقادی اور منہجی مسلمات اور مباحث سے پردہ اٹھاتے ہوئے جو منطقی، اصولی، متکلمانہ، عارفانہ اور حکیمانہ کلام فرمایا ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس میں عقل و عشق کو جمع فرما دیا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت استخلاف اور حدیث شریف: **علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین.** [۶۴] سے نہایت بلند معنی پیدا فرما کر اقوال صحابہ کی حجیت کو ثابت فرمایا ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایسے عشق و خرد کے جامع اور علم و حکمت سے مملو علمائے اعلام کے افادات کو اپنے استشہاد میں پیش فرمایا ہے۔

[۵] بدعات سے نفور:

اتباع سنت کے ساتھ بدعات سے اجتناب اور اس کی تردید علما و فقہا کی طرح صوفیہ کا بھی اختصاص رہا ہے۔ اہل سنت و جماعت کا کوئی محقق اور مُسلّم صوفی ایسا نہیں ہے جو بدعات کی رونق پر فریفتہ ہو۔ صوفی تو حقیقت کلی سے آشنا اور اسرار حقیقت کا محرم راز ہوتا ہے، بھلا اسے منشائے الٰہی کے جاننے یا مزاج و مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعیین میں کوئی شبہہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حقیقی سالک و طالب یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ احداث فی الدین در پردہ شریعت محمدی کی عدم تکمیل کا اعلان ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ سنت کا عاشق بدعات کی طرف رغبت سے طبعاً متنفر ہوتا ہے، اس لیے کہ سنت اور بدعت کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ حضرت مولانا امین اورکزئیؒ لکھتے ہیں:

> ''یہ میرا عقیدہ ہے اور **جاء الحق وزهق الباطل** الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں سنت کا نور آئے گا، بدعت کی ظلمت مٹ جائے گی، اگر توحید کی روشنی آئے گی تو شرک کی ظلمت بھاگ جائے گی''۔ [۶۵]

ہنگو میں اعتقادی اور عملی دونوں طرح کے مبتدعین موجود ہیں۔ مولانا اورکزئیؒ کی علمی ساکھ، عملی وجاہت و مساعی اور مسلک اہل سنت پر تصلب کی وجہ سے وہاں دونوں طرح کی بدعات کا قلع قمع ہوا، خواہ ان بدعات کی نوعیت اعتقادی ہو یا عملی و رسمی۔

ہنگو یا اس کے آس پاس حلقۂ اہل سنت دیوبند سے وابستہ بعض وہ افراد جو عملاً بدعات میں مبتلا تھے، مولانا اورکزئی کی مسلکی حمیت اور صوفیانہ مروت ان کے ساتھ جس حسن اعتدال

مسلکی تصلب کے ساتھ ظاہر ہوئی اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

''شرکیہ امور سے طبعی نفرت تھی، خصوصاً عقیدہ اور ایمان کے تحفظ کے بارے میں بہت حساس تھے، ایک دفعہ میں نے علاقے کے بعض علمائے کرام کے بارے میں پوچھا کہ آپ ان کے ہاں جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ فرمایا! جی چاہتا ہے کہ ان کی خدمت میں حاضری دوں، مگر یہ حضرات بعض بدعات میں مبتلا ہیں، ان وعیدات سے ڈرتا ہوں جو بدعتی کی توقیر کے متعلق آئی ہیں، پھر میں نے عرض کیا کہ جب وہ حضرات ادھر آتے ہیں تو آپ ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔ فرمایا! یہاں ان کی حیثیت مہمان کی ہوتی ہے۔ میں نے اپنی استطاعت تک ان کی اصلاح کی بھر پور کوشش کی ہے، مگر بدقسمتی سے یہ حضرات ضعیف ہو چکے ہیں، میرے بارے میں حاسدین نے ان کے کانوں میں بہت کچھ ڈالا ہے کہ یہ وہابی اور پنج پیری ہو گیا ہے اس وجہ سے میری باتوں کو زیادہ توجہ نہیں دیتے''۔[٦٦]

[٦] دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا استحضار:

دنیا کی محبت اور اس سے تمتع میں احتیاط حضرات صوفیہ کا نمایاں وصف رہا ہے۔ اسے بعض ناواقفین یا معاندین نے ''رُہبانیت'' سے تعبیر کیا ہے۔ حالاں کہ حضرات صوفیہ کے یہاں ترک دنیا کا جو مفہوم ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جس کی تعلیم قرآن وسنت میں دی گئی ہے اور حضرات صحابہؓ واہل بیتؓ اس کے عملی مظاہر تھے۔ دنیا اور اس کی حقیقت پر کلام کرتے ہوئے مشائخ چشت کے سردار محبوب الٰہی سلطان جی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے ایسا بصیرت افروز کلام فرمایا ہے جس سے اس مسئلے کے تمام پہلو آئینہ ہو گئے ہیں:

سخن در صفتِ دنیا افتاد. در آنچہ چہ چیز دنیا ہست و چہ چیز دنیا نیست، فرمودہ کہ یکی صورتاً و معناً دنیا است و یکی صورتاً و معناً دنیا نیست و یکی صورتاً دنیا نیست و معناً دنیا ہست و یکی صورتاً دنیا است و معناً دنیا نیست. بعد ازاں بیان فرمودہ کہ آنچہ صورت و معنی دنیا است کدام است ہر چہ زائد از کفاف است دنیا است. و آنچہ صورت و معنی دنیا نیست آں طاعت با اخلاص است، و آنچہ صورتاً دنیا نیست و معناً دنیا است آں طاعتی است کہ بریا کنند برای جذبِ منفعت و آنچہ صورتاً دنیا است و معناً دنیا نیست آں ادای حقِ حرمِ خود است یعنی

بہ اہلِ بیتِ... خود فراہم آید بہ نیت آنکہ حقِ او بگزارد اگرچہ ایں فعل صورتاً دنیااست امامعناً دنیانیست۔ [67]

''ذکر یہ آیا کہ دنیا کی تعریف کیا ہے؟ یعنی کون سی چیز دنیا ہے؟ اور کون سی چیز دنیا نہیں ہے؟ ارشاد ہوا کہ ایک ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی دنیا ہے۔ اور ایک ظاہر میں اور باطن میں دنیا نہیں ہے۔ اور ایک ظاہر میں دنیا نہیں ہے لیکن باطن میں دنیا ہے۔ اور ایک ظاہر میں دنیا ہے اور باطن میں دنیا نہیں ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ جو صورت اور معنی میں دنیا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہر وہ چیز جو ضرورت سے زیادہ ہو دنیا ہے۔ اور جو صورت اور معنی میں دنیا نہیں ہے۔ وہ خلوص کے ساتھ طاعت ہے۔ اور جو صورت میں دنیا نہیں ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے دنیا ہے وہ ایسی طاعت ہے جو ریاکاری سے ہو، [کوئی] فائدہ اٹھانے کے لیے اور جو صورت میں دنیا ہے مگر معنی میں دنیا نہیں ہے۔ وہ اپنی بیوی کا حق زوجیت ادا کرنا ہے یعنی اپنی بیوی سے اس نیت سے صحبت کرنا کہ اس کا حق ادا ہو۔ یہ فعل اگرچہ صورت کے اعتبار سے دنیا ہے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے دنیا نہیں ہے۔

حضرت مولانا امین اورکزئیؒ کی زندگی بھی صوفیہ سلف کی زندگیوں کا نمونہ تھی۔ آپ نے ہمیشہ آسائشوں پر تنگ دستی اور غنا پر فقر کو اہمیت دی۔ مال داری اور مناصب کے اعتبار سے آپ کو بہت سی پیش کشیں ہوئیں، لیکن آپ نے انھیں قبول نہیں فرمایا اور نہایت کس مپرسی میں اپنے ادارے جامعہ یوسفیہ کی بنیاد رکھی۔ آنے والے طلبا کو صاف بتا دیا جاتا کہ یہاں دیگر اداروں جیسی سہولیات بالکل میسر نہیں ہیں، اگر یہاں پڑھنا ہے تو مجاہدے کے لیے کمر کسنی ہوگی، جو میں کھاؤں گا وہی تمھیں کھلاؤں گا اور اگر تمھیں فاقہ کرنا پڑے تو میں بھی فاقے سے گزروں گا۔

حضرت کی اہلیہ محترمہ حضرت اماں جان مدظلہا فرماتی ہیں:

''حضرت کی ساری زندگی زہد اور قناعت سے عبارت تھی، ہم نے چالیس سالہ رفاقت پرانے زمانے کے دو کچے کمروں میں گزاری جن کی دیواریں مٹی گارے سے چنی ہوئی تھیں اور چھت کو کئی ستونوں کے ٹیک دے کر خاشاک اور نرکل کے پتوں سے ڈھانکا گیا تھا۔ حضرت کو کبھی پختہ گھر بنانے کا خیال پیدا نہیں ہوا، الحمدللہ حضرت کی برکت سے کبھی ہماری بھی یہ تمنا نہ ہوئی کہ اپنا پختہ گھر بنے۔ حضرت ہمیشہ

سادگی اور قناعت کی ترغیب دیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ اور اسلاف کے عسرت اور تنگی کے حالات سنایا کرتے تھے اور فرماتے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی ہے، عاقبت بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ جب شہادت سے دو سال قبل یوسف نے دو پختہ کمرے تیار کرائے، تو مجھے کہتے کہ قیامت میں اس کا حساب آپ کے ذمے ہے، میں ان پر راضی نہیں، پھر آپ نے گھر کا ایک کچا کمرہ اپنے لیے منتخب فرمایا''۔[۶۸]

تنہا اس اقتباس سے حضرت مولانا اورکزئی شہیدؒ کی پوری زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے کہ وہ فقر و تنگی میں حضرات صحابہؓ و صلحا کے متبع تھے۔ ان کا ہر کام آخرت کی مسئولیت کو سامنے رکھ کر عمل میں آتا تھا خواہ وہ مباح ہی کیوں نہ ہو۔

[۷] شفقت علی الخلق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی انسانوں بلکہ ہر ذی روح مخلوق کے لیے رحمت و رافت کا سرچشمہ تھی۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دریائے رحمت سے ہر مخلوق اپنے اپنے ظرف کے مطابق شاداب و سیراب ہوئی ہے، اس میں مسلمان و غیر مسلم یہاں تک کہ جانوروں کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وصف رحمت کا نہایت عمدہ اور قابل مشاہدہ مظہر صوفیہ کرام کا طبقہ ہے۔ اخلاص، بے نفسی اور فنائیت ایسے اوصاف سالک کے اندر سے غاصبانہ و مغضوبانہ جذبات کو سلب کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا دامن نہ صرف دوست بلکہ دشمن کے لیے بھی کشادہ ہو جاتا ہے۔ حضرت امیر علاء سنجری قدس سرہٗ روایت کرتے ہیں کہ محبوب الٰہی سلطان جی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ یہ دو مصرعے پڑھے:

ہر کہ ما را یار نبود ایزد او را یار باد
و آنکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد[۶۹]

''جو بھی دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹا رکھے اس کی زندگی کے چمن کا ہر پھول بے کانٹے کھلا رہے''۔

برائی کا بدلہ برائی سے دینا بہت آسان ہے، لیکن برائی کی جزا نیکی سے ادا کرنا ہی صاحبان تزکیہ کا کام اور ان ہی کا مقام ہے۔ حضرت سلطان جی قدس سرہٗ نے اہل سلوک کے لیے یہ اصول بیان فرمادیا ہے:

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی ایں خار خار باشد ...... میانِ مر د مان ہم چنین است با نغز اں نغزی و با کو زان کو زی، اما میان د ر و یشاں ہم چنین است کہ با نغز اں نغزی با کو زاں ہم نغزی![۷۰]

''اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی [جواب میں] کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہوجائیں گے۔عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بروں کے ساتھ برائی لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بروں کے ساتھ بھی اچھے''۔

ایسے صاحبان حال اور حاملان ذوق صرف عطا کرنا جانتے ہیں اور بدلے میں کسی سے کچھ حاصل کرنے یا داد و دہش اور تحسین کے طالب نہیں ہوتے۔مخدوم عالم حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری بہاری قدس سرہٗ ایسے مردان خدا مست کے اوصاف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

رحمت و شفقت او بر ہمہ تابد، خود نخور د د خلق را خوار ند د ہد، خو بہ پو شد و خلق را پو شاند، بزخم مر د مان نہ نگر د و بجفائے ایشاں نہ بیند، شفیع ظالم خو د بو د جفار ا بو فا پیش آید، د شنام رابد عاو ثنا مقابلہ کند، ایں دانی از چیست؟ از بہر آں کہ وَے محفوظ است از ساحت دل وے جز بادِ راحت بر خلق نو زد، او د ر شفقت چوں آفتاب بو د. بر دشمن ہمچناں تابد کہ بر د و ست، د ر تواضع چوں زمین بو د ہمہ خلق پائے بر د ے نہند، او ر ابا کس خصو مت نہ، د ست تصر ف وے از خلق کو تاہ بو د، ہمہ خلق عیال وے بو د او عیال کس نہ بو د، و د ر سخاوت چوں د ریا بو د دشمن را ہمچناں بخشد کہ د و ست را، عین رحمت شد ہ بر کافۂ خلق شر ق و غر ب، زیرا کہ آزاد بو د ہر چہ بیند از یکجا بیند، دید ہ اش دید ۂ جمع بو د و ہر جز و ے از اجزائے وے. وَے را ہمچنیں خلعتے پو شانند و ہر کہ بد یں صفت نبو د او راد ر طر یقت ہیچ قد مے نبو د۔[۷۱]

''اس کی رحمت وشفقت کا آفتاب پرایک بار ضیا بار رہتا ہے۔وہ خود نہیں کھاتا، خلق اللہ کو ضرور کھلاتا ہے۔خود نہیں پہنتا، حاجت مندوں کو پہناتا ہے۔لوگوں کی تکلیف دہ باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ظلم سہتا ہے مگر ظالم سے بدلہ نہیں لیتا، بلکہ اس کی

شفاعت کو تیار رہتا ہے۔ جفا کے عوض وفا کرتا ہے۔ دشنام کا جواب دعا وثنا سے دیتا ہے۔تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب فقط یہ ہے کہ [اللہ کے فضل واحسان سے] اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے دل کی فضا سے مخلوق کے لیے بادِ راحت کے سوا اور کوئی ہوا نہیں چلتی۔ اس کی شفقت آفتاب کی طرح ہوتی ہے۔ دوست دشمن اس کی روشنی سے یکساں فیض یاب ہوتے ہیں۔ تواضع میں وہ زمین کی مانند ہوتا ہے۔ ساری دنیا اس کو روندے بھی تو وہ اُف نہیں کرتا۔ مخلوق پر دست اندازی سے اس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے۔ تمام مخلوق اس کی عیال ہوتی ہے، لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا۔ سخاوت میں وہ دریا کی طرح ہوتا ہے، دوست دشمن دونوں کو برابر سیراب کرتا ہے۔ مشرق ومغرب کی ساری مخلوق کے لیے وہ ایک چشمۂ رحمت کی مانند ہوتا۔ کیوں کہ وہ آزاد ہوتا ہے۔ جو کچھ دیکھتا ہے [اس کے متعلق جانتا ہے کہ ہر شے کا مرجع ومآب کہاں ہے] اس کی آنکھ ''اہل جمع'' کی آنکھ ہوتی ہے۔ اس کے اجزائے وجود میں سے ہر جز کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے۔ سمجھ لو! اگر طریقت کا کوئی دعوے داران اوصاف سے متصف نہ ہو تو اس نے راہِ طلب میں ابھی قدم ہی نہیں رکھا''۔

متذکرہ اوصاف آج کل تصوف کے علم برداروں کے یہاں بھی عنقا ہیں، لیکن اس عہد زوال میں بھی، خال خال ہی سہی، عارفانہ ذوق کی حامل اور فنائیت کے مقام پر پہنچی ہوئی چند ہستیاں مل ہی جاتی ہیں جن کی زندگی نرم دلی اور بندگان خدا پر رافت وشفقت سے مملو ہوتی ہیں، یہ ہستیاں صرف دوست پرور ہی نہیں دشمن نواز بھی ہوتی ہیں۔ شہید مولانا امین اورکزئیؒ ہمارے اس دور انحطاط میں ایسے باصفا افراد کی نظیر تھے۔ صاحبزادہ گرامی روایت کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ ہم حضرت کے ساتھ پشاور سے آرہے تھے، راستے میں بارش تھی، کچھ عیسائی، جو صفائی وغیرہ کرتے ہیں، راستے میں کھڑے تھے، انھوں نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا لیکن ہمارے ڈرائیور نے گاڑی نہیں روکی، والد صاحب نے کہا کہ گاڑی روکیے، بارش ہے، بے چارے کیا کھڑے رہیں گے۔ حضرت نے انھیں گاڑی میں بٹھا کر کھانے پینے کی چیزیں دیں، اپنا فون نمبر بھی دیا اور فرمایا کہ کوئی ضرورت ہو تو یاد کرلیا کریں، وہ بے چارے اس رویے پر سخت حیرت زدہ تھے۔ دو

دن بعدان کا فون آیا کہ ہم حضرت سے ملنا چاہتے ہیں، اگلے دن دس بجے کے قریب آ گئے، انھوں نے ہاتھ ملانا چاہا تو حضرت نے معانقہ فرمایا، حضرت نے ضروری ضیافت فرمائی، کچھ دیر بعد وہ کہنے لگے کہ حضرت ہم تو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آئے تھے، آپ ہمیں کلمہ پڑھا دیں تا کہ ہم مسلمان ہو جائیں۔ والد صاحب نے انھیں کلمہ پڑھایا پھر بتایا کہ آپ لوگ مسلمانوں کے بجائے اسلام کا مطالعہ کریں۔اس پر حضرت نے ایک مثال دی کہ جاپان نے کاریں بنائی ہیں، اگر کوئی ان کو غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے، تو اس میں جاپان کی غلطی نہیں ہے، بلکہ استعمال کرنے والے کی غلطی ہے۔ پھر والدصاحب نے مجھے حکم دیا کہ حضرت مولانا محمد رفیق صاحبؒ [امیر تبلیغی مرکز ہنگو] کا پوچھیں کہ کہاں ہیں، میں نے ان کی معلومات کیں، پھران سارے حضرات کو مولانا کے پاس لے گئے، انھوں نے ان سب حضرات کو ابتدائی تعلیم دی، والد صاحب نے مشورہ دیا کہ ان کو تبلیغ میں بھیجیں۔ پھران میں سے ہر ایک کو رقم دی اور رخصت فرمایا۔ بہ وقت رخصت ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ حضرت کے خادم ہیں؟ میرے بجائے حضرت نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

کچھ عرصے بعد پھران کا فون آیا کہ ہماری برادری کے کچھ لوگ حضرت سے ملنا چاہتے ہیں، حضرت ان دنوں بیمار بھی تھے اور کچھ مصروف بھی تھے لیکن انھوں نے بتایا کہ یہ مہمان باہر سے آئے ہیں، صرف حضرت کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور ایک ضروری مسئلہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ آ جائیں، اگلے دن ظہر کی نماز کے بعد وہ آئے، حضرت نے اپنے پاس بٹھایا، اکرام کیا، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ گاڑی میں ایک مریض ہے، کافی زمانے سے صاحب فراش ہے، ہم اسے دم کرانے لائے ہیں، حضرت ان کے ساتھ گئے اور انہیں دم کیا۔

عین اسی وقت حضرت کے پاس ایک سرکاری آفیسر بھی آ گیا، حضرت نے مجھے بلایا کہ ان سے معذرت کرلیں کہ میں مہمانوں کو دم کر کے آ رہا ہوں۔اس آفیسر نے کہا کہ یار استاذ صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ استاذ الجن ہیں، یعنی جنوں کو پڑھاتے ہیں، میں یہ نہیں مانتا تھا، آج میں نے تسلیم کرلیا کہ جب

غیر مسلم بھی حضرت کے پاس آ کر دم کرواتے ہیں تو حضرت صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ انسانوں کے بھی استاذ ہیں اور جنوں کے بھی استاذ ہیں۔ اسی افسر نے کہا کہ چند دن قبل ایک شیعہ دوست نے بتایا کہ مجھے گردوں کی شکایت تھی، کسی نے کہا کہ حضرت اس کے لیے عرق گلاب دم کرتے ہیں، میں عرق گلاب لے کر حضرت کے پاس گیا، حضرت نے چائے بھی پلائی اور عرق بھی دم کر کے دیا۔ یہ عیسائی حضرات بار بار حضرت سے عرض کرتے رہے کہ آپ ان آفیسر صاحب کو پہلے فارغ کریں لیکن حضرت نے فرمایا کہ آپ پہلے آئے ہیں، لہٰذا پہلے آپ کا حق ہے۔ یقین کریں ان میں جو نئے حضرات آئے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت کی شہادت پر اس برادری کے اکثر حضرات تعزیت کے لیے بھی آئے تھے۔ حضرت والد صاحب اکثر فرماتے تھے کہ کامیاب انسان وہ ہے، جو دن کی روشنی میں مخلوق خدا کی خدمت کرے اور رات کے اندھیرے میں خالق کی عبادت کرے''۔[۲۷]

مولانا محمد امین اورکزئیؒ چوں کہ ایک بڑے عالم اور ماہر مدرس بھی تھے اس لیے طالبان علوم کا ہجوم آپ کے گرد رہتا تھا، آپ اپنے تلامذہ کی مسلسل خبر رکھتے تھے کہ وہ کن مصروفیات میں اپنے اوقات کو صرف کرتے ہیں، اس سلسلے میں اپنے ایک شاگرد شہید مولانا اسلم شیخوپوریؒ کے نام مولانا اورکزئیؒ کے خطوط خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں۔ ایک اور شاگرد مولانا رفیع اللہ کے نام مولانا اورکزئیؒ کے مکتوب کا اقتباس دیکھیے اس کا لفظ لفظ دل سوزی کے ساتھ فکرمندی اور خیر خواہی سے عبارت ہے۔ مولانا اورکزئیؒ لکھتے ہیں:

''فقیر جب سے کراچی پہنچا ہے آپ حضرات کے فکر سے ایک دن بھی غافل نہیں رہا اور اس توقع پر کہ آپ حضرات اپنی پہلی فرصت میں اپنے احوال سے آگاہ کر دیں گے روزانہ خط کا منتظر رہا''۔[۲۸]

مولانا اورکزئیؒ کی یہ شفقت و محبت تمام اہل علاقہ کے لیے بھی تھی۔ جسے کوئی کام ہوتا وہ بلا جھجک دن ہو یا رات مولانا اورکزئیؒ کی خدمت میں پہنچ جاتا۔

غربا و مساکین سے محبت اور ان پر شفقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق میں سے ہے۔ ماضی قریب تک حضرات صوفیہ و علما کے یہاں اس سنت مبارک کی اتباع پورے

اہتمام سے نظر آتی تھی۔ حضرت مولانا اورکزئیؒ کی ہمشیرہ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتی ہیں:

''بچپن میں ہم گھر سے باہر گلی میں کھیل رہے تھے دوپہر کا وقت تھا کہ ایک سائل فقیر زور زور سے آوازیں لگاتا ہوا وہاں آیا۔ اُس کی آواز اتنی بھدی تھی کہ ہم سارے بچے ڈر گئے اور روتے چیختے گھروں کی طرف بھاگ گئے۔ بھائی جان نے جب میری چیخنے کی آواز سنی تو بھاگ کر گھر سے باہر آئے اور پوچھا کہ کیا ہوگیا؟ میں نے کہا کہ اُس فقیر نے ہمیں ڈرا دیا ہے۔ بھائی جان نے غصے میں اُس فقیر کو ڈانٹ کے کچھ کلمات کہہ دیئے اور مجھے گھر کے اندر لے آئے۔ پھر دفعتاً بغیر چپل پہنے گھر سے باہر بھاگ نکلے، میں پیچھے نکلی، دیکھا کہ وہ اُسی فقیر کے پیچھے جارہے ہیں۔ آپ نے فقیر کو ہاتھ سے پکڑا، بڑی لجاجت سے معافی مانگی اور اُسے واپس حجرے میں لاکر بٹھایا۔ پھر گھر جاکر اُس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لائیں، کپڑوں کا ایک جوڑا دیا، پیسے دیئے، آخر میں پھر اُن سے معافی مانگی کہ مجھ سے غصے میں یہ باتیں منہ سے نکل گئیں، مجھے معاف کردو، پھر اُسے اعزاز سے رخصت کیا۔ میں چھوٹی بچی تھی وہ سارا منظر میرے ذہن میں تازہ ہے، میرے لیے یہ ساری باتیں عجیب تھیں۔ میں نے پوچھا: بھائی جان! اس فقیر کو آپ نے ڈانٹا، پھر دوبارہ بلاکر اتنا اکرام کیا، یہ کیوں؟ تو فرمایا: بہن! یہ غریب لوگ ہیں، ہمارے اُوپر لازم ہے کہ ان کی خبر گیری کریں، اس کے ساتھ میرے اس روّیے سے اس کا دل دکھا تھا، مجھے خوف ہوا کہ اگر اس نے بدعا دی تو میرے لیے بہت بُرا ہوگا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہوگا، اس لیے میں نے جاکر اُسے منایا ہے، اس بات کا مجھ پر بچپن ہی سے ایسا اثر ہوا کہ نادار لوگوں سے محبت ہوگئی اور ان کی ضروریات کی ہر وقت فکر رہنے لگی''۔ [۴۷]

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان حالات سے متاثر ہوکر بعض اوقات غصہ کر بیٹھتا ہے۔ جائز بات پر غصہ آنا فطری بات ہے۔ غلط ہے اس غصے سے مغلوب ہوکر بے جا اقدام۔ غصے میں اگر آدمی کوئی جذباتی قدم اٹھا بھی لے تو پھر اس پر ندامت اور اس کا بہترین ازالہ ہی نادر اکسیر ہے۔

مولانا اورکزئیؒ کا یہ جذبۂ ترحم اپنے بدترین سماجی و دینی مخالفین کے لیے بھی روا تھا۔ ہنگو کے مقامی حالات میں جو شیعہ سنی کشیدگی پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر طرفین سے ایک

دوسرے کے لیے غصے اور نفرت کے جذبات پیدا ہوجانا مستبعد نہیں، لیکن مولانا اورکزئیؒ کی شفیق طبیعت اس سے بھی ابا کرتی تھی۔ حضرت کی ہمشیرہ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتی ہیں:

''ایک دفعہ میں بھائی جان سے ملنے آئی تو کافی پریشان تھے، آپ کا چہرہ اتنا خوب صورت تھا کہ اُس پر پریشانی یا غم کا اثر بالکل واضح محسوس ہوتا تھا۔ میں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو فرمایا، بہن! یہ بچے بڑے بے احتیاط ہیں، بعض اوقات بے احتیاطی میں نامناسب کام کر دیتے ہیں۔ آج بھی انھوں نے گڑبڑ کر دی ہے، ایک شیعہ مجھ سے ملنے آیا تھا، میں گھر میں تھا، انھوں نے محض اس وجہ سے کہ وہ شیعہ ہے اُسے واپس کر دیا کہ اُستاذ صاحب! گھر میں نہیں ہے، پتا نہیں اُس بے چارے کی کیا پریشانی تھی، کیوں ملنے آیا تھا اور ان کے روّیے سے کیا تأثر لے کر گیا ہوگا؟ پھر مجھے ایک نبی علیہ السلام کا واقعہ سنایا کہ اُن کے ہاں کچھ غیر مسلم مہمان آئے تھے، جب انھوں نے کھانا پیش کیا اور فرمایا کہ ''بسم اللہ'' کہہ کر کھاؤ، تو وہ رُک گئے اور کہا کہ ہم اللہ کے نام سے نہیں کھا سکتے۔ اس پر اُن نبی علیہ السلام نے اُنھیں دسترخوان سے اُٹھوا دیا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا کہ مجھے ساری عمر جھٹلاتے رہے ہیں اور میرا انکار کرتے رہے ہیں لیکن کبھی ایک لقمہ ان کا بند نہیں کیا اور آپ نے دسترخوان سے اُٹھوا دیا، پھر فرمایا، کیا معلوم میرے ملنے سے اُس کو ہدایت ہوجاتی، شاید وہ کوئی علمی مسئلہ میں تشفی کے لیے ملنا چاہ رہا ہو۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ ہنگو جیسے ماحول میں اپنے مخالف کے لیے بھی آپ کی رواداری اور ہمدردی و خیر خواہی کے یہ جذبات تھے''۔ [۵۷]

ایک شاگرد کا بیان ہے:

''حضرت دشمن کے لیے بھی خیر خواہ تھے اور دوستوں کے لیے بھی۔ اپنے تو اپنے لیکن اگر دشمن آجاتا تو اسے اس طرح سینے سے لگا کر ملتے کہ ملنے والا یہ ہی سمجھتا تھا کہ یہ تو میرا کوئی پرانا دوست تھا، ایک مرتبہ ایک آدمی آیا تو حضرتؒ کو میں نے دیکھا کہ ہنستے ہوئے پرانے دوست کی طرح ملے، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ آدمی شیعہ تھا۔ اس طرح جس مکتب فکر کے لوگ آتے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ ان سے بہت ہی پیار و محبت اور شفقت والا رویہ اختیار فرماتے، ہر شریک مجلس کی بات نہایت توجہ

کے ساتھ سنتے، ہر ایک کو بولنے اور اظہار خیال کا موقع دیتے اور اگر کسی کو کوئی بات سمجھانی ہوتی تو انتہائی محبت و شفقت کا اسلوب اختیار کرتے''۔ [۴۷]

اسی سلسلے میں حسن اعتدال، انصاف اور دیانت کے مظاہرے پر مشتمل ایک واقعہ دیکھیے، صاحبزادہ گرامی راوی ہیں:

''ایک دفعہ شاہو میں ایک شیعہ کو قتل کر کے اس کا گلہ کاٹ دیا گیا، اس پر آپ سخت مضطرب اور پریشان تھے، فرماتے تھے کہ اہل تشیع سے ہمارا نظریاتی اختلاف اپنی جگہ، لیکن اس طرح کے اقدام کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، یہ فساد ہے۔ جب قتل واغوا کے واقعات کا حد درجے شیوع ہوا تو آپ نے ہنگو شہر میں تمام دینی جماعتوں اور سماجی طبقات کا اجلاس بلایا اور ایک متفقہ پالیسی تشکیل دینے کی کوشش کی لیکن اس خطے میں مسلح تحریکوں کے گہرے خوف کے باعث اس پر متفقہ پالیسی سامنے نہ آسکی، تاہم اس اجلاس میں آپ نے وضاحت سے اس کو "فتنة عمياء" [اندھا فتنہ] قرار دیا۔

ایک دفعہ شاہو میں دوسنی پولیس اہل کاروں کو ذبح کیا گیا، راوی نے حضرت استاذ صاحب کو واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ حضرت جس کو ذبح کیا جارہا تھا وہ بھی تکبیر کا نعرہ بلند کر رہا تھا، اور ذبح کرنے والا بھی اللہ اکبر کہہ رہا تھا۔ ان میں سے ایک حافظ قرآن تھا، چہرے پر داڑھی تھی۔ اس کے جیب میں سے مسواک بھی برآمد ہوا، اس کی والدہ لاش لینے آئی تو جائے شہادت سے چمٹ کر روتی رہی اور وہاں سے اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ یہ سن کر آپ کی حالت غیر ہوگئی، رمضان کا مہینہ تھا، سخت گرمی کے روزے تھے، پریشانی کا یہ عالم تھا کہ صرف پانی سے افطار کیا اور غم کی شدت میں کھانا تک نہ کھا سکے۔ آپ کسی پر حکم لگاتے ہوئے حد درجہ احتیاط برتتے تھے لیکن اس دن فرمایا کہ اگر قاتل نے یہ ظلم ثواب کی نیت سے کیا ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ان گروہوں کے مذہبی استدلال کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ فرماتے تھے، کہ ان کی بڑی فکری غلطی یہ ہے کہ انھوں نے کفار کی معاونت پر مسلم کی تکفیر وارتداد کا فیصلہ سنا دیا ہے اور اس بنیاد پر خروج کو درست سمجھ رہے ہیں، غیر مقاتلین تک کو مار رہے

ہیں اور تنصیبات کو نشانہ بنا رہے ہیں حالانکہ موجودہ صورت میں ''فقہی تکییف'' کی رو سے ذمے داروں کی بھی محض تفسیق ہوتی ہے نہ کہ تکفیر.....اور فسق کی بنیاد پر کسی کا قتل جائز نہیں، فاسق کے قتل کا مؤقف خارجیوں کا ہے، اہل السنۃ کبھی اس کے قائل نہیں رہے''۔ ۷۷

شفقت علی الخلق کا جذبہ اپنی جگہ کتنا اہم ہو، لیکن ان واقعات کے تناظر میں پاکستان بلکہ پوری دنیا میں دین کے نام پر جو مسلح جدوجہد ہو رہی ہے خواہ وہ پورے اخلاص ہی کے ساتھ ہو ان کے وار دین کو اپنے طرز عمل اور اقدام کا اپنے اوپر ہونے والے ظلم اور زیادتی کے جواب میں جذبات کی بنیاد پر نہیں بلکہ استحضار آخرت اور فقہی اصولوں کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے جائزہ لینا چاہیے۔ آخر میں ''فقہی تکییف'' کے تحت جس انتہائی اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر اسے سامنے رکھ لیا جائے تو انتہا پسندی اور قتل و غارت گری کے بہت سے مظاہر کا خود بہ خود سد باب ہو جائے گا۔

مولانا اورکزئی: تحصیل سلوک کا روحانی سفر:

اعتقادات سے لے کر اعمال اور اذواق تک کا متذکرہ اجمالی تذکرہ مولانا اورکزئیؒ کی زندگی میں صوفیانہ رسوخ پر شاہد ہے۔ ان اوصاف کے طبیعت میں راسخ اور باطن میں صرف ہو جانے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ انھیں اوائل عمر ہی سے اہل اللہ اور مشائخ طریقت کی طرف میلان اور رغبت کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ بزرگوں کی توجہ اور عنایات کا مورد بنے۔ مولانا بچپن ہی سے نہایت دقیق النظر اور ذکی الحس تھے۔ ابھی درجہ ثانیہ ہی میں تھے کہ ایک مرتبہ اپنے چچا کے ہمراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغوشتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا غورغوشتویؒ اس وقت نیند سے بیدار ہوئے تھے اور وضو بنانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مولانا اورکزئیؒ نہایت باریک بینی سے مولانا غورغوشتویؒ کے وضو اور نماز کی ادائیگی کا مشاہدہ کرتے رہے اور بعد میں اپنے دوست مولانا نور سعید سے فرمایا کہ حضرت غورغوشتویؒ نے وضو اور نماز ہو بہو اسی طریقے پر ادا فرمائی ہے جو ہم نے قدوری شریف میں پڑھی ہے۔ ۷۸ نماز کے بعد

چچا نے حضرت غورغوشتویؒ سے اسباق لیے۔ جب چچا جان فارغ ہوئے تو مولانا اورکزئی نے حضرت غورغوشتویؒ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا کہ میں طلبہ کو بیعت نہیں کرتا، یہ ہمارے بڑوں کا طریقہ ہے۔ جب مولانا اورکزئیؒ نے اصرار کے ساتھ درخواست کی تو حضرت نے طاق عدد میں استغفار، درود شریف، کلمہ طیبہ اور **سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم** تلقین فرمایا اور تاکید فرمائی کہ مدرسے کے اسباق پر پوری توجہ رہنی چاہیے ——— ۱۹۶۹ء میں جب حضرت غورغوشتویؒ کا انتقال ہوا تو مولانا اورکزئیؒ، محدث العصر فخر سادات حضرت مولانا سید محمد یوسف الحسینی البنوریؒ سے درخواست کی۔ حضرت مولانا بنوریؒ نے پچاس ہزار مرتبہ درود شریف، پچاس ہزار مرتبہ استغفار اور ہر جمعرات کو استخارے کا حکم دیا۔ استخارے میں خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن منہ میں دے دیا ——— جب حضرت بنوریؒ کو استخارے کا بتایا تو انھوں نے بیعت فرمایا۔[۷۹] مولانا اورکزئیؒ نے حضرت بنوریؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ کے اسباق کی تکمیل کی ——— مولانا بنوریؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد مختلف بزرگوں کے یہاں حاضری اور استخارہ اور استشارہ کے بعد کراچی میں اپنے بزرگ استاذ مولانا فضل محمد سواتیؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ مولانا سواتیؒ نے ایک ماہ میں ایک لاکھ ستائیس مرتبہ استغفار اور استخارہ کی تلقین کی۔[۸۰] مولانا سواتیؒ نے بے تکلفی کے باعث خود بیعت فرمانے کے بجائے [اگرچہ انھوں نے مولانا اورکزئی کو سلسلۂ قادریہ میں خلافت دی تھی] سوات کے دو بڑے شیوخ اور اولیا حضرت مولانا اکرام اللہ جنگی خیل بابا جی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا سراج الیوم گڑھئی بابا جی قدس سرہٗ کی طرف رہنمائی فرمائی۔ مولانا اورکزئیؒ جب حضرت جنگی خیل بابا جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا:

> ''اس دیار کی مسند ولایت گڑھئی بابا جی کے حوالے ہو چکی ہے، میں ان کی موجودگی میں آپ کو بیعت نہیں کر سکتا، آپ کا گوہر مقصود ان کے پاس ہے، میں خود آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گا''۔[۸۱]

یوں مولانا اورکزئی شہیدؒ حضرت گڑھئی بابا جیؒ سے بیعت ہو کر اسباق سلوک کی تحصیل میں مشغول ہوئے ——— یہاں توقف کر کے ایک بات کی طرف توجہ ضروری ہے۔ غور فرمایا جائے کہ ہر بزرگ طالب کو اپنی دانست میں اپنے سے بہتر کی طرف رجوع کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اس سے مرید کی خیر خواہی کے علاوہ ان بزرگوں میں حقیقی بے نفسی اور اصلی فنائیت کے فعال مظاہر سامنے آتے

ہیں۔ایسے مشائخ کی نظر اور تربیت سے طالب وسالک کے باطن میں صوفیانہ ذوق کا رچاؤ بہت گہرا ہوتا ہے ـــــ بہ ہرحال طویل عرصے تک گڑھئی باباجیؒ کے زیرسایہ اور زیرتربیت رہ کر اسباق سلوک کی تکمیل کے بعد مولانا اورکزئیؒ سلسلۂ نقشبندیہ و قادریہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اتنے بڑے بڑے اولیا سے اسباق سلوک کی تکمیل کے بعد بھی مولانا اورکزئی نے خود کو بنا کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیے رکھنا مناسب نہ سمجھا، چنانچہ حضرت گڑھئی باباجی کے رحلت فرمانے کے بعد مولانا اورکزئی فاضل دیوبند مولانا بہاء الحق قاسمیؒ سے بیعت ہوئے اور سلسلۂ چشتیہ میں خلافت سے نوازے گئے۔مولانا بہاء الحق قاسمیؒ کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مولانا غلام رسولؒ کی خدمت میں اصلاحی تعلق کی نیت سے آمدورفت شروع کی۔کافی عرصے تک جاتے رہے، بیعت کی نوبت تو اگرچہ نہیں آئی، لیکن مولانا غلام رسول نے سلاسل اربعہ میں خلافت عطا فرمائی اور سلسلۂ سہروردیہ کے اذکار کی تلقین وتجدید کا حکم دیا۔

ان اہل اللہ سے تربیت سلوک حاصل کرنے اور خلافتوں سے نوازے جانے کے بعد بھی شہید اورکزئیؒ نے اپنی خانقاہ نہیں بنائی بلکہ طالب اصلاح بن کر حضرت مولانا محمود صندل باباجی کی طرف رجوع کیا اور سلسلۂ قادریہ میں اجازت یافتہ ہوئے ـــــ مولانا اورکزئیؒ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ کوئی ان کے احوال علمی اور کمالات باطنی سے واقف نہ ہوسکے۔اپنی شخصیت کی رونمائی، اظہار علم اور اظہار مشیخت سے وہ کوسوں دور بلکہ متنفر تھے۔غور کیا جائے کہ جس شخص نے تا عمر اپنے مدرسے میں دورۂ حدیث کے اسباق کا محض اس شرم سے اجرا نہیں کیا کہ جس ملک میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ جیسے رئیس المحدثین اور استاذ الاساتذہ مسند درس پر رونق افروز ہیں، وہاں میرا دورے کے اسباق شروع کرنا سخت نادانی ہے۔ایک مرتبہ اپنے مدرسے میں درس قرآن شریف شروع فرمایا، جب لوگوں کا رجوع شروع ہوا تو درس جامعہ کے ایک استاذ کے سپرد فرما دیا، لوگوں نے جب بہت اصرار کیا تو صاف فرمایا:

> ''میرے عزیز بھائیو! مجھے شہرت سے جتنی نفرت ہے اتنی کسی دوسری چیز سے نہیں ،اسی وجہ سے میں نے بڑے بڑے اداروں میں بخاری شریف پڑھانے کے بجائے اپنے ہاں نورانی قاعدہ پڑھانے کو ترجیح دی ہے''۔[۴۲]

اس کے برعکس موجودہ صورت حال اتنی بگڑ چکی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے،عقابوں کا یہ نشیمن زاغوں کے تصرف میں آ گیا ہے۔خانقاہ،جس نے عہد زوال میں بھی مسلمانوں کی تہذیبی

روایت کی حفاظت کی تھی، باقاعدہ دکان داری بنتی جارہی ہے کہ بس کیسے کوئی گاہک آ پھنسے۔ اکابر صوفیہ نے شیخ کامل کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ امرا سے اختلاط سے بچتا ہو، لیکن یہاں صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ''مشائخ'' اور ''علما'' کے پروٹوکول بھی، الا ماشاءاللہ، وزرا اور امرا کی طرح ہو چلے ہیں، عام آدمی کی رسائی ان تک مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی ہے، اس میں سب سے زیادہ استحصال نادار دین دار طبقے کا ہو رہا ہے، ان کی حیثیت زرخرید غلاموں کی سی بن گئی ہے۔ دنیاداری اور ہٹو بچو کی آوازوں میں جینے کے عادی ان ''مشائخ'' میں ''وھن''[۸۳] کا پیدا ہوجانا لازمی ہے: یعنی دنیا کی محبت اور موت سے کراہت۔

مولانا اورکزئیؒ: تربیتی منہج اور عارفانہ ذوق:

شہید مولانا اورکزئیؒ کی عملی زندگی کا سب سے نمایاں اور قابل تقلید حصہ ان کا خود کو ہر معاملے میں پیچھے رکھنا تھا۔ طویل مدت تک اہل علاقہ کو یہی معلوم نہ ہوسکا کہ مولانا اورکزئیؒ کس پائے کے عالم، محدث، فقیہہ، متکلم، مدرس اور صوفی ہیں۔ وہ اور اپنے آبائی وطن ہنگو آنے سے قبل پاکستان کے دینی مدارس میں سب سے امتیازی شان رکھنے والے مدرسے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں کلیدی عہدے پر فائز رہ چکے تھے اور ادارے کے بانی ومؤسس اور صف اول کے بزرگ عالم دین مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے معتمد خاص اور منظور نظر بھی ـــــ اس قدر اخفا اور دور دراز مقام پر رہنے کے باوجود علوم دینیہ کے طالبین نے ان تک پہنچ کر تحصیل علم کی سعادت حاصل کی اور اصلاح واستفادے کے متمنی خوش بختوں نے باطنی کسب فیض کیا۔ مریدین کی اصلاح وبیعت کے احوال کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اورکزئیؒ کا تربیتی منہج مرض کی درست تشخیص سے لے کر اس کے علاج اور امالے تک انسان کی تمام ضرورتوں اور احتیاطوں کو حاوی تھا۔ مولانا اورکزئیؒ کو انسانی نفسیات اور اس کے باطن میں رذائل کے قرار پکڑنے کے چور دروازوں کی پوری پوری خبر تھی۔ مولانا کی شان تربیت گناہ سے نفرت اور گناہ گار سے ہم دردی اور محبت کے اصول پر قائم تھی۔[۸۴] اس مستقل اصول کے ساتھ ان کے احوال کا مطالعہ درج ذیل تربیتی منہج اور عرفانی ذوق کا پتا دیتا ہے:

شیخ: بنیادی صفات اور خصوصیات:

[۱] شیخ کو چاہیے کہ تمام دینی شعبوں کے ساتھ مخلص ہو، ان کے ساتھ تعاون یا کم سے کم ان کے لیے دعا کرے۔[۸۵]

[۲] گناہ گاروں پر شفقت کرے۔[۸۶]

[۳] اہل کمال کو چاہیے کہ اسباب ترفع کے باوجود انکسار اختیار کریں۔ حق تعالی کے یہاں وضع اور رفع کا ضابطہ ہے۔ **من تواضع رفعه الله ومن تكبر قضمه الله.**[۸۷]

[۴] اہل علم وفضل کو عجب تو کیا صورت عجب ودعویٰ سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔[۸۸]

[۵] شیخ کو چاہیے کہ طالب کی طلب کا امتحان لے۔[۸۹]

[۶] یہ امتحان حلقہ تلمذ میں قبول کرنے سے انکار کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے۔ انکار خشک نہیں ہونا چاہیے بلکہ معقول عذر اور دلیل کے ساتھ ہو۔ **وهو المعمول عند كثير من المشائخ المحققين فى التصوف والسلوك.**[۹۰]

[۷] صوفیانہ اوراد اوراذ واق کی تجربی اہمیت اپنی جگہ لیکن ان کا درجہ منقول اوراد ووظائف سے فروتر ہے، لہٰذا منقول کو تجربے اور مجربات پر بہ ہر صورت ترجیح حاصل ہے[۹۱] ـــــ اذکار اور ادعیہ مسنونہ کا اہتمام حصول نسبت کا بہترین وسیلہ ہے جو سلوک وتصوف کا منتہی ہے۔[۹۲]

[۸] اصلاح باطن اور راہ سلوک میں چلنے والے افراد کے لیے ان کے طبعی رجحانات اور فطری مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے معمولات، تنبیہات اور احتیاطوں کو تجویز کرنا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر درست تشخیص اور مجرب دواصحت باطنی کے لیے مثل بدرقہ ہے ـــــ معلم کو چاہیے کہ متعلم کی استعداد وظرف کے مطابق تعلیم دے اور **كلم الناس على قدر عقولهم** کے اصل پر کاربند رہے ورنہ تعلیم مفید ثابت نہ ہوگی بلکہ مفارقت پر منتج ہوگی۔[۹۳]

[۹] کوتاہی پر تنبیہ ہونی چاہیے۔[۹۴]

[۱۰] مرشد کو چاہیے کہ مسترشد کو اس کی کم زوری کی طرف بار بار توجہ دلاتا رہے۔[۹۵]

[۱۱] نکیر بہ مقدار منکر ہو[۹۶] ـــــ دوسری مرتبہ غلطی پر تنبیہ پہلی کی نسبت زیادہ ہونی چاہیے۔[۹۷]

[۱۲] خدام کی کوتاہی پر معذرت قبول کرنی چاہیے۔[۹۸]

[۱۳] بھول چوک پر گرفت کرنا سخت گیری اور تشدد کے دائرے میں آتا ہے۔[۹۹]

[۱۴] ترک ادب پر نکیر خود ایک امر منکر ہے۔ بدقسمتی سے آداب، مستحبات اور سنن کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ شرعی احکام پر عمل کرتے وقت ان کے مراتب کو ملحوظ رکھنا چاہیے، ورنہ غلو فی الدین سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔[۱۰۰]

[۱۵] ایک ہی کام ایک شخص کے لیے حلال ہو سکتا ہے اور دوسرے کے لیے حرام ـــــ بلکہ ایک شخص کے لیے فرض اور دوسرے کے لیے حرام ہو سکتا ہے۔[۱۰۱]

[۱۶] استاذ طلبہ کو بعض جائز اور مباح امور سے روک سکتا ہے اگر مخل بالاستفادہ یا مانع ہوں۔[۱۰۲]

[۱۷] وسائل کو مقاصد اور راستے کو منزل نہیں بنانا چاہیے۔

[۱۸] ذریعہ تعلیم صرف قیل وقال نہیں بلکہ عمل وحال بھی بن سکتے ہیں۔[۱۰۳]

[۱۹] معلم کے لیے شاگرد سے خدمت لینا جائز ہے۔[۱۰۴]

[۲۰] شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی مشتبہ قول وعمل کی مناسب موقع پر وضاحت اور توجیہہ کرے۔[۱۰۵]

[۲۱] رخصت کرتے وقت طلبہ کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک سے کام لیا جائے۔[۱۰۶]

[۲۲] تلامذہ اور خدام کا تذکرہ بھی احترام کے ساتھ ہونا چاہیے۔[۱۰۷]

مرید اور سالک کے لیے ہدایات اور لائحہ عمل:

[۱] اصلاح باطن کے لیے اصلاح عقیدہ شرط اول ہے[۱۰۸] ـــــ حق وباطل کی تاریخی آویزش میں سب سے بڑا دخل "لا الٰہ" کا رہا ہے "الا اللّٰہ" میں اختلاف کی نوبت بہت کم پیش آئی ضرورت اس کی ہے کہ آئینۂ قلب کو ماسوی اللہ کی کدورات سے مصفّٰی بنایا جائے، ''لا الـــہ'' کی جاروب سے خانۂ دل کو غیر اللہ کی خاشاک سے پاک کیا جائے پھر اس صاف وشفاف آئینہ میں محبوب کی صورت ازخود ہی آئے گی اور اس پاکیزہ خانہ میں معزز مہمان بہ خوشی ورود فرمائے گا ؎

پردہ ہستی اگر سوزی بنار لاالہ

ان زمان بے پردہ بینی نور الا اللہ ما

صرف تخلیہ کی ضرورت ہے میرا خیال ہے تخلیہ کے بعد پھر ''اب تو آجا اب تو خلوت ہو

گئی'' کی صدا صرف مجذوبانہ صدا ہوسکتی ہے جس کی ضرورت نہیں۔ اس آفتاب عالم تاب کا عکس ازخود پڑے گا بشرط یہ کہ آئینہ پر ظلمانی پردہ نہ ہو ؎

ہر چہ ہست از قامت کوتاہ بداندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اگر قابل میں نقصان ہو تو فاعل تو کامل ہے، بہ ہر حال ایمان باللہ کا نور تب جلوہ گر ہوگا جب پہلے کفر بالطاغوت کا نعرہ مستانہ لگایا جائے، یہی توحید کی حقیقت ہے جو کہ اساس ہے تمام ایمانیات وعملیات کا۔[۱۰۹]

[۲] بیعت میں عجلت نہیں کرنی چاہیے۔[۱۱۰]

[۳] شیخ کامل کے تتبع میں سعی بلیغ سے کام لینا چاہیے[۱۱۱]۔۔۔ محقق ومتبع سنت شیخ کی ایسی تلاش کرنی چاہیے جیسے بندہ اپنے بچے یا بچی کے رشتے کے لیے تحقیق کرتا ہے۔[۱۱۲]

[۴] غلط صحبت علم اور سلوک دونوں راستوں کے لیے نہایت مضر ہے۔ صحبت کا انتخاب اتنا دشوار ہے کہ عرفان سے منور قلب کے علاوہ اوروں کے لیے اس کا انتخاب سخت دشوار ہے۔ لہٰذا صحبت کے لیے مسلّمہ مشائخ اور مقدس بزرگوں کی صحبت کے علاوہ دوسروں سے مجتنب رہنے میں سلامتی ہے۔[۱۱۳]

[۵] علمی سفر اپنے سے اعلم کے مشورے اور ارشاد کے مطابق کیا جائے۔[۱۱۴]

[۶] شیخ سے طبیعی مناسبت بھی ضروری ہے۔[۱۱۵]

[۷] قربِ مکانی بھی ضروری ہے، تاکہ صحبت کا موقع زیادہ سے زیادہ میسر ہو۔[۱۱۶]

[۸] [شیخ کی خدمت میں] درخواست ایسی جامع ہو کہ سائل کا احتیاج، مسئول عنہ کا ادب، درخواست کا غایت ومقصد اور قابل قبول ہونے کی وجہ اس سے ظاہر ہو اور اس جامعیت کے ساتھ مختصر بھی ہو۔[۱۱۷]

[۹] ایسے لب ولہجے سے احتراز کیا جائے جس سے تکبر وتعلّی تو درکنار تساوی کی بو آتی ہو۔[۱۱۸]

[۱۰] اپنے شیخ کی کامل اتباع ہو حتیٰ کہ افکار، اقوال واعمال میں اس کا عکس جمیل ومظہر اتم بننے کی کوشش کرے۔[۱۱۹]

[۱۱] سالک کو اپنے شیخ کا وفا شعار اور جاں نثار ہونا چاہیے۔[۱۲۰]

[۱۲] شیخ کامل کی صحبت اور ملازمت کبریت احمر ہے، مگر حقوق وآداب کا پورا خیال رکھنا متعسر ہے اور مزاجی ہم آہنگی نہ ہو تو متعذر رہے۔[۱۲۱]

[۱۳] متعلم کو چاہیے کہ طلب میں صادق ہو۔[۱۲۲]

[۱۴] اور چاہیے کہ متواضع ہو، استاذ کے سامنے سراپا احتیاج بنے۔[۱۲۳]

[۱۵] اور چاہیے کہ ادب شناس ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست استفہام کے پیرائے میں پیش کی، پھر درخواست میں اپنے تابع بننے کا ذکر سب سے پہلے فرمایا اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کو عالم و معلم ظاہر فرمایا۔ پھر مِمَّا عُلِّمْتَ کے ضمن میں ان کے سرمایہ علم میں سے کچھ ظاہر کرنے کی اپیل کی جیسا کہ فقیر کسی توانگر سے اس کے کچھ مال کا سوال کرتا ہے۔[۱۲۴]

[۱۶] عدم استقلال اور نافرمانی طالب اور مسترشد کی ناکامی کے دو بڑے اسباب ہیں۔ اس لیے کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتے وقت ان دونوں موانع سے الگ رہنے کا پختہ عزم کرے۔[۱۲۵]

[۱۷] مقصد تک پہنچنے کی راہ صرف دو ہی گام کا ہے۔ پہلا قدم اپنی گردن پر ہو تو دوسرا رب عظیم کے عرش پر ہوگا۔ ادھر غیر سے منھ موڑا ادھر جمالِ یار کا نظارہ کرنے لگا، خلق سے توڑا حق سے جوڑا۔[۱۲۶]

[۱۸] استاذ کی سختی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہے۔[۱۲۷]

[۱۹] استاذ کی نشاندہی کے بعد اپنی کمزوری کو رفع کرنے کی کوشش اور عزم کرے۔[۱۲۸]

[۲۰] شیخ جب تک تعلیم میں مصروف ہو تو سوال وغیرہ کر کے دخل اندازی نہ کرے۔ کچھ شبہہ و خلجان ہو تو شیخ کی طرف سے جواب وازالے کے انتظار میں رہے۔[۱۲۹]

[۲۱] بہ ظاہر خلاف شرع کام شیخ سے دیکھنے میں آئے تو حتی الامکان تاویل سے کام لے اور جائز محامل پر حمل کرے۔ سوئے ظن سے بچے۔ اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو منکر کو منکر ہی سمجھا جائے، شیخ پر نقد و جرح سے احتراز کرے۔ شیخ پر تنقید علم یا اس کی برکت سے حرماں کا سبب بن سکتا ہے۔[۱۳۰]

[۲۲] شیخ کی طرف کوتاہی کی نسبت نہ کرے اگرچہ وہ کوتاہی میں شریک رہا ہو۔[۱۳۱]

[۲۳] طالب و سالک کو صرف طلب علم یا فقط تحصیل احسان میں مشغول رہنا چاہیے۔ زمانۂ تحصیل میں مطلوب و مقصود کے علاوہ دیگر امور میں انہماک علم میں پختگی یا سلوک میں رسوخ سے محروم کر دیتا ہے۔ اس طرح علم محض ضابطے کا ہو کر رہ جاتا ہے اور ہاؤ ہو محض دکھاوے کی۔[۱۳۲]

[۲۴] علمی [یا روحانی..... ناقل] استفادے کے علاوہ اور کسی فائدے کی خواہش نہ رکھے۔[۱۳۳]

[۲۵] سنت اللہ یہی ہے کہ علم مطلوب بن کر حاصل ہوتا ہے، طالب بن کر نہیں آتا۔[۱۳۴]

[۲۶] علم کے سفر میں مصائب مصاعب کا پیش آنا عین متوقع امر ہے۔[۱۳۵]

[۲۷] طاعات واذکار کی حلاوت معاصی کے ارتکاب کے ساتھ ممکن نہیں، لہٰذا حرام بینی، حرام شنیدی، حرام خوری اور حرام گوئی سے کلیۃً پرہیز ہی چشم دل سے نور حق کے معائنے کا ضامن ہے۔[۱۳۶]

[۲۸] علم نافع اور علمی استعداد اصلاح قلب کے بغیر بے معنی ہے ـــــ مذہب کا تحفظ ودفاع نرے قلم کار ادبا کے ذریعے نہیں بلکہ ارباب قلوب کے ذریعے ہوا ہے۔ اس لیے جیش اسلام کے ہر ہر سپاہی کی باطنی اصلاح اور اہل اللہ سے مضبوط تعلق تحفظ ودفاع اسلام کی شرط اول ہے۔ نرے قلم کاروں نے دین کو بجائے فائدہ پہنچانے کے الٹا نقصان پہنچایا ہے۔ خصوصاً زمانۂ طالب علمی میں قلم کاری کی طرف ضرورت سے زیادہ رغبت اور میلان انتہائی ضرر رساں ہے ـــــ [یہ نکتہ بعض دینی حلقوں میں ''صحافت کو رسز'' اور ان جیسے دیگر ''اجتہادات'' اور اس کے پس پشت کارفرما خواہشات کی حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ اسلام کو جدید زمانے کے مطابق ڈھال دینے کا یہ جذبہ دین کے دفاع سے زیادہ دنیا کو معیار مانتے ہوئے اس سے مغلوبیت کی حد تک مرعوبیت کا عکاس ہے]۔[۱۳۷]

[۲۹] معیار زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے کی تگ ودو میں ہمہ وقت انہماک، پُرتعیش زندگی کو استغنا اور توکل کی پوری شان کے ساتھ ترک کر سکنے کی ہمت اور جذبے سے قلب کے خالی اور طرز زندگی کے عاری ہونے کے ساتھ راہ سلوک کی بادیہ پیمائی محض مضحکہ ہے۔[۱۳۸]

[۳۰] وحدت وعزلت اختیار کریں، اختلاط سے محتاط رہیں۔[۱۳۹] ـــــ تعلق مع الخلق علی الاطلاق ممنوع نہیں ہے بلکہ اہلیت ہو تو مطلوب ہے صرف مرغوب ہی نہیں۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہمیشہ خلق سے ربط وتعلق رہا اور اس طرح دوسرے صلحا وکاملین کا..... یہ اس لیے کہ وصول الی اللہ کے بعد خلق، حق کے مشاہدے سے مانع نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے بہ منزلۂ آئینہ ہوتی ہے وہاں تو "اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" کا سماں ہوتا ہے۔ اور "اِنَّ

صَلٰوتِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ" کی شان.....اپنے آپ کو ان حضرات پر قیاس کرنا ہماری حماقت ہوگی۔[۱۴۰]

[۳۱] ذکر و مراقبے کے وقت سبز چادر اوڑھنا سنت خضر و یہ اور ابلغ فی التخلی ہے۔[۱۴۱]

حضرات صوفیہ کے ہاں مریدین اور سالکین کی تربیت کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ ان مختلف طریقوں اور راستوں کے اپنے اپنے طریق، ثمرات و نتائج ہیں۔ معروف طریقہ یہی ہے کہ آدمی تعلق اصلاح یا بیعت کے بعد اختلاط سے گریز کرے اور نفس کشی اور مجاہدے کے لیے کمر کس لے، اپنی مدح و ذم سے بے نیاز ہو جائے، حرام اور مشتبہ مال سے پرہیز کرے، عجب، تکبر، حب جاہ، حب مال کی حقیقتوں اور نزاکتوں سے مکمل آگہی حاصل کرے اور ان سے بچے، عبادات اور نوافل کی طرف رغبت پیدا کرے، جب یہ مراحل طے ہو جاتے ہیں تو پھر شیخ اسے محبت الٰہی کی راہ دکھاتا ہے۔ جو حاصل احسان ہے[۱۴۲] ـــــ یہ طریقہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصریح کے مطابق حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ کا وضع و تجویز فرمودہ ہے۔[۱۴۳] مولانا اورکزئی شہیدؒ کے طریق اصلاح کا مطالعہ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ اس باب میں طریق غزالیؒ کے متبع تھے۔

شہید اورکزئی علم اور عشق کا امتزاج:

احسان و تصوف دین کا کوئی الگ شعبہ نہیں ہے بلکہ یہ قلب کو مقام تزکیہ سے بہرہ ور اور صفات حسنہ سے مزین کرنے کا نام ہے۔ اس لیے دین کے کسی بھی شعبے سے وابستہ فرد کے لیے صوفی ہونا ضروری ہے، خواہ وہ ضابطے کے اعتبار سے محدث ہو یا مفتی، مجاہد ہو یا مناظر ـــــ بالفاظ دیگر مسند حدیث پر رونق افروز یا منصب افتا و قضا پر فائز عالم یا میدان جہاد میں لڑنے والا مجاہد، صوفیۂ سلف کی تو خیر بات ہی الگ ہے، ماضی قریب تک ہمارے بزرگوں میں علم و احسان کی یک جائی پائی جاتی تھی۔ اہل سنت و جماعت دیوبند صوفیہ سلف کے اسی ذوق کے حامل اور مشرب کے ترجمان تھے۔ اس مقدس جماعت کے ہر ہر فرد میں شریعت و طریقت، عقل و عشق، صورت و معنی، ظاہر و باطن اور علم و عمل کی یک رنگی، فرق مراتب کے باوصف، یکساں طور پر جلوہ گر تھی۔ ان

حضرات کی زندگیوں میں یہ تمام امور آپس میں اس طرح گندھے ہوئے تھے کہ ایک کے بنا دوسرے کا وجود ناقص تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اپنے والد مولانا محمد یٰسین دیوبندیؒ کا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپڑاسی تک سب کے سب صاحبِ نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے، دارالعلوم اس زمانے میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخرِ شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طغرائے امتیاز تھا''۔ [۱۴۴]

دورِ زوال میں اب جس طرح دنیوی علوم میں اختصاص کے نام پر علوم کی خانوں میں تقسیم کا جواز پیدا کر دیا گیا ہے، اسی طرح بعض ''دین داروں'' کے ہاں تصوف کو دین کے ایک علیحدہ اور مستقل شعبے کے طور پر متعارف کرایا جانے لگا ہے ـــــ مولانا اورکزئیؒ ہمارے اس دور ابتذال میں علما وصوفیۂ سلف کے اسی ذوق کا مظہر تھے۔ آپ کی شخصیت عقل وعشق اور ظاہر وباطن کی جامع تھی۔ ذیل میں دینی امور کے اُن تین شعبوں میں مولانا اورکزئیؒ کی مساعی کا تذکرہ پیش کیا جارہا ہے جنھیں اب بالعموم صوفیانہ حلقوں سے علیحدہ تصور کیا جاتا ہے، جب کہ فی الحقیقت ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اشتغال بالحدیث:

حدیث شریف سے ربط واشتغال حضرات صوفیہ میں معروف تھا۔ متقدمین ائمہ حدیث جن پر آج بھی علم حدیث کا مدار ہے وہ سب کے سب بحر طریقت کے بھی غواص تھے، ان میں امام حسن بصری، امام داؤد الطائی، امام ابرھیم بن ادہم، امام سفیان الثوری، خواجہ فضیل بن عیاض اور حضرت شفیق بلخی رحمہم اللہ کے نام لینا کافی ہیں۔ اور صرف یہ ہی نہیں فقہ وتفسیر میں بھی مسند آرائے امامت تھے۔ تصوف کے ایک شدید ناقد بزرگ کو بھی اعتراف ہے:

وما كان المتقدمون في التصوف إلا رؤساً في القرآن والفقه والحديث والتفسير. [۱۴۵]

''قدمائے صوفیہ قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے''۔

فن تصوف کی امہات الکتب میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی کتاب ''عوارف المعارف'' مسائل سلوک میں قرآن، حدیث اور سنت سے استنباط کا ایک عمدہ اور معیاری نمونہ ہے۔ متاخرین صوفیہ میں سلطان جی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ تین واسطوں سے امام رضی الدین الصعانی کے شاگرد ہیں۔ [۱۴۶]

حضرت سلطان جی قدس سرہٗ کو تقریباً دو ہزار دو سو چھیالیس احادیث پر مشتمل مجموعۂ حدیث ''مشارق الانوار'' حفظ تھا۔ [۱۴۷] شاہ غلام علی دہلوی کی شہادت ہے کہ سلطان جی کے برابر کوئی محدث نہ تھا۔ [۱۴۸]

حضرت سلطان جی کی مجالس میں باقاعدہ درس حدیث ہوتا تھا۔ حضرت سلطان جی کے مرید مولانا شمس الدین یحیٰی نے ''مشارق الانوار'' کی ایک شرح بھی تالیف فرمائی تھی۔ [۱۴۹] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی دو شروح تحریر فرمائی ہیں۔ عربی شرح کا نام **"لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح"** اور فارسی کا ''اشعۃ اللمعات'' ہے۔ بعد کے علما میں مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے عارف کا علم حدیث اور فقہ میں بہت وقیع کام ہے۔ آپ نے اپنی کتاب **"التکشف عن مہمات التصوف"** میں احادیث مبارکہ کو جس طرح صوفیانہ مسائل کے استناد میں پیش کیا ہے وہ ایک طرف آپ کی عرفانی دقیق النظری پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف علم حدیث اور اس کے معانی کی گہرائی کی بھی گواہی دیتا ہے۔

خود مولانا اورکزئیؒ کے شیخ و مربی مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ محدث وقت ہونے کے ساتھ ساتھ عرفان و سلوک کے شناور بھی تھے۔ مولانا اورکزئیؒ نے مولانا بنوریؒ کے ذوق کی اتباع بلکہ ان ہی کے حکم اور رہنمائی میں حدیث اور تصوف دونوں میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ صوفیانہ ذوق سے تو آپ کی پوری زندگی ہی عبارت تھی لیکن علم و فن حدیث میں آپ کے ''تخصص فی الحدیث'' کے حلقۂ درس کی پورے ملک بلکہ بیرون ملک تک شہرت تھی۔ ملک و بیرون ملک سے طلبہ کی کثیر تعداد ایک دور افتادہ گاؤں اور سہولیات سے بالکل عاری مدرسے میں جوق در جوق پہنچتی۔ تدریس کے ساتھ آپ کی دو کتابیں طالبان علوم حدیث کی رہنمائی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب امام ابوجعفر الطحاویؒ کی کتاب **"شرح معانی الآثار"** پر تصحیح، تعلیق و تخریج کا کام **"نشر الازہار علی شرح معانی الآثار"** کے نام سے نہایت عمدہ طریقے سے انجام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب حدیث و فقہ میں تطبیق کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اسی طرح دوسری کتاب، جو فی

الحقیقت آپ کے تخصص کا مقالہ ہے، کا نام "**مسانید الإمام ابو حنیفة وعدد مروياته من المرفوعات والآثار**" ہے۔اس کتاب میں امام اعظم ابوحنیفہ قدس اللہ سرہٗ کی مسانید اور روایات کا نہایت تفصیلی و تحقیقی تعارف ہے۔[۱۵۰]

مناظرانہ خدمات:

آج کل نام نہاد علمی اور صوفیانہ حلقوں میں مناظرانہ سرگرمیوں کو دین کے بالکل منافی رویہ باور کیا جاتا ہے۔ایسے حضرات کی تحریریں پڑھ کر یا گفتگو سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ مناظروں کو بالکل ہی ترک کر دینا چاہیے۔مناظروں کے خلاف بولنے یا لکھنے والے یہ افراد یا طبقے اپنی بات کے استناد کے لیے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات سے بعض اقتباسات کو سیاق وسباق سے الگ کر کے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔حالانکہ مناظرے کی کلیۃً نفی کہیں مولانا تھانویؒ سے ثابت نہیں بلکہ وقت اور حالات کے پیش نظر ترجیح، مصالح اور حکمت کے لحاظ سے حضرت تھانویؒ نے احتیاطیں اور تجاویز بیان فرمائی ہیں۔حضرت تھانویؒ اصولی طور پر مناظرے کو دین کی حفاظت اور نصرت کا ایک شعبہ خیال فرماتے تھے۔لکھتے ہیں:

> ''نیز ضرورت بھی اس کی شاہد ہے کیوں کہ اہل باطل ہر زمانے میں بہ کثرت موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔وہ لوگ باطل کی ہمیشہ ترویج کرتے ہیں تو اگر ان کا جواب نہ دیا جائے تو عوام کا تلبیس وتخلیط کوئی بعید و عجیب نہیں اور جواب دینے میں عوام کی حفاظت ہے اور بعض اوقات خود اہل باطل کو ہدایت ہو جاتی ہے اور یہی قیل وقال، سوال و جواب مجادلہ ومناظرہ ہے، تو ایسے ضروری امر کو مذموم کیسے کہا جا سکتا ہے''۔[۱۵۱]

مناظرہ سنت انبیا، سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسوۂ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ اکابر صوفیہ جس طرح وعظ وتلقین اور نصیحت وتذکیر کرتے رہے اسی طرح جب بھی ضرورت محسوس ہوئی اور بہ تقاضائے دینی مجبور ہوئے تو میدان مناظرہ میں بھی قدم فرما ہوئے۔محبوب الٰہی سلطان جی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مجلس مناظرہ میں شریک ہونا تاریخی حقیقت ہے۔[۱۵۲] اسی طرح مشائخ اہل سنت و جماعت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا مرتضی حسن چاند پوری، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا عبد الستار

تونسوی، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہم اللہ اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم وغیرہ کی زندگیوں کا پیش تر حصہ مناظروں میں گزرا اور انھوں نے مجادلے اور مباحثے کے ذریعے احقاق حق کا فریضہ انجام دیا ہے۔ خود مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مقابلے پر میدان مناظرہ میں قدم رنجہ فرمانا ثابت ہے۔[۱۵۳] اس میں شک نہیں کہ متذکرہ تمام بزرگ نسبت ارشاد کے حامل اور دولت تزکیہ سے بہرہ ور تھے۔ اصلاح قلب ونفس مزکی کی بدولت ان کا مناظرہ خجالت باطل کے لیے نہیں فقط احقاق حق کے لیے ہوتا تھا۔[۱۵۴] یہ امر حقیقت ہے کہ آج کل کی مناظرانہ فضا میں احقاق حق کا جذبہ مغلوب نظر آتا ہے، لہٰذا ضرورت اس کوتاہی کی اصلاح کی ہے، لیکن اس نقص اور کمی کو بنیاد بنا کر دین کے ایک منصوص شعبے کا کلیۃً انکار کر دینا، اس کی تحقیر کرنا یا اسے اسلامی مزاج، دینی اخلاقیات اور منہج دعوت کے خلاف باور کرنا اہل سنت و جماعت کی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی، غیر دانش مندانہ یا مخاصمانہ رویہ ہے۔[۱۵۵]

مولانا اورکزئیؒ بھی صوفیانہ ذوق کے حامل عالم، محدث، فقیہہ، متکلم اور مناظر تھے۔ دین کے جس شعبے میں ضرورت محسوس ہوئی آپ نے اپنی بھرپور خدمات پیش کیں ـــــ مناظرے کا اصل مقصد احقاق اور انکار منکر کی علمی بیخ کنی ہے۔ شہید اورکزئیؒ کی حمیت دینی اس خیر سے کب منھ موڑ سکتی تھی۔ آپ بہ طور اصول فرماتے ہیں:

''غیرت ایمانی اور حق پرستی کی علامت منکر پر نکیر ہے''۔[۱۵۶]

بلکہ آپ کی غیور طبیعت تو اس بات کی داعی تھی کہ لکھتے ہیں:

''عالم حقانی کے لیے منکر صوری پر بھی سکوت جائز نہیں''۔[۱۵۷]

آپ میں احقاق حق کا جذبہ اور بیان صرف قولاً ہی نہیں عملاً بھی موجود تھا، چنانچہ ۱۹۹۲ء میں کوہاٹ میں مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کا جو مناظرہ معروف اہل حدیث پروفیسر طالب الرحمٰن اور مولانا عبدالعزیز نورستانی سے ''تقلید شخصی'' کے موضوع پر ہوا تھا اس میں مولانا اورکزئیؒ، مولانا اوکاڑویؒ کے معاون مناظر تھے۔ اس سے قبل ۱۹۷۵ء میں مولانا محمد امین صفدرؒ کوہاٹ کے علما کے رویے سے کچھ مایوس لوٹے تھے، لہٰذا جب دوبارہ کوہاٹ کے علما نے مولانا اوکاڑویؒ کو مناظرے کے لیے دعوت دی تو آپ نے شرط عائد فرمائی تھی کہ مولانا محمد امین اورکزئیؒ میرے معاون مناظر ہوں گے۔ منتظمین مناظرہ نے جب مولانا اورکزئیؒ سے بات کی تو آپ فوراً تیار ہو گئے۔[۱۵۸]

سیاسی اور سماجی خدمات:

حضرات صوفیہ کی تاریخ کا سطحی طور پر مطالعہ کرنے والوں یا معاندین کا ایک بے جا اعتراض یہ بھی رہا ہے کہ صوفیہ کا وقت کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل کے حل میں کوئی کردار نہیں بلکہ صوفیہ ان امور کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ ان کا کام دروں بینی، شکست خوردگی اور مردم بیزاری رہا ہے۔

متذکرہ دعوے کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ حضرات صوفیہ نے ہر عہد میں اپنے مجاہدات اور باطنی تصرفات کے باوصف اسلام کی قومی، سماجی، معاشرتی اور سیاسی زندگی میں اپنی خدمات پیش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ گزشتہ کئی سو سالوں کی سماجی اور سیاسی تاریخ پر صوفیہ کے نہایت گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ صوفیہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ایک طرف وہ بلا امتیاز امیر و غریب سے براہ راست جڑے رہتے ہیں، ان کے مسائل، خواہ ذہنی و نفسی ہوں یا معاشی و معاشرتی سنتے ہیں۔ دوسری جانب یہ حضرات ارباب اقتدار، سیاسی قوتوں اور سماجی نظام چلانے والوں پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اصلاح و ارشاد کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے۔ اس سلسلے میں تاریخی شواہد کا پیش کرنا موجب تطویل ہوگا۔

اکابر صوفیہ کی مستند سوانح عمریوں کا مطالعہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ یہ تمام صوفیہ قومی تعمیر و ترقی میں اور وابستگان سیاست و حکومت کی اصلاح کے لیے اپنی تمام تر ذہنی، اخلاقی، عملی، روحانی صلاحیتوں کے ساتھ ہمیشہ کوشاں رہے ہیں:

> **والذي نخلص اليه بعد ما تقدم أن هؤلاء الذين سبق ذكرهم من العلماء الربانيين، والمتصوفة الواعين، وأصحاب الطرق المخلصين.. هم الذين حملوا خلال العصور امامة الدعوة الى الله عزوجل، ورسالة الاسلام الحقة الى الناس، وهم الذين جمعوا ما بين العبادة والجهاد، ووفقوا بين حقوق الله، و حقوق العباد.. وهم الذين أعلنوا صوت الحق أمام المستبدين الظالمين، ووقفوا ببسالة فائقة أمام المستعمرين الغاشمين.** [۱۵۹]
>
> ''یہ حضرات جن کا تذکرہ ابھی گزرا، وہ علمائے ربانیین، باصفا صوفیہ اور مخلص ارباب طریقت ہیں جنھوں نے پچھلے زمانوں اور صدیوں میں دعوت الی اللہ کی

زمام سنبھالی، اور اسلام کا پیغام حق لوگوں تک پہنچایا اور یہ ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے عبادت اور جہاد کو جمع کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہم آہنگی پیدا کی اور دونوں کا حق ادا کیا اور یہی وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے ظالموں اور جابروں کے سامنے حق کی آواز بلند کی اور دھوکے باز مستعمرین کے بالمقابل بڑی بہادری سے ڈٹے رہے''۔

مولانا اورکزئیؒ نے وقت کے اس وقت کے عالمی سیاسی تناظر میں درج ذیل کوششیں اور اقدامات کیے: [۱] احمد شاہ مسعود اور افغانی طالبان کے مابین مصالحت کی بھرپور کوشش، [۲] مالاکنڈ کے قبائل اور حکومت کے درمیان تصادم کی روک تھام، [۳] قبائلی جنگوں کے خاتمے کے لیے کوشش، [۴] وزیرستان اور اورکزئیؒ ایجنسی میں مسلح تحریکوں کے انسداد اور قیام امن کے لیے کوشش، [۵] شیعہ سنی کشیدگی کو ختم کرنے کی مساعی اور، [۶] بے شمار اصلاحی و رفاہی خدمات سر انجام دی ہیں۔[۶۰]

الغرض شہید مولانا محمد امین اورکزئیؒ اپنے ان ہی باکمال اسلاف کے پیروکار تھے۔ آپ میں قدرت نے متبائن اوصاف و کمالات کو نہایت خوبی، حسن اور اعتدال کے ساتھ جمع کر دیا تھا۔ مولانا اورکزئیؒ میں موجود ان تمام کمالات نے شدید اخفا کے باوجود ان کی ذات میں ایک ''شان وحدت'' پیدا کر دی تھی۔

مولانا اورکزئیؒ کا حال قطعاً ان خام صوفیہ کی طرح نہیں تھا جو سماج و معاشرے کے عملی میدان سے دور اور لوگوں کے اصلاح عقائد و رسوم سے بے پرواہ ہو کر گوشہ تنہائی میں اللہ ھو اللہ ھو کی ضربیں لگانے یا نراوعظ کہہ لینے کو معراج تصوف باور کرتے ہیں ـــــ علوم و فنون کے مختلف شعبہ ہائے جات ہوں، درس و تدریس کی ذمے داری ہو، ہنگو کے سماجی حالات ہوں، شیعہ سنی کشیدگی ہو، عالمی سیاست میں مذاکرات کا معاملہ ہو، باطل افکار و نظریات کی علمی و مناظرانہ تردید ہو، اہل بدعت سے مکالمہ ہو غرض ہر جگہ حضرت مولانا محمد امین اورکزئیؒ نے ایک نہایت معاملہ فہم سماجی رہ نما

کی طرح، بہت غیور سنی لیکن خشیت ربی سے معمور صوفی کی طرح، نہایت وسیع المطالعہ اور حاضر جواب مناظر ومتکلم کی طرح، نہایت متصلب مسلکی محافظ کی طرح، نہایت مشاق مدرس اور حاذق روحانی طبیب کی طرح ہر جگہ اپنی خدمات کو پورے اہتمام اور ذمے داری سے پیش فرمایا۔ مولانا اورکزئیؒ کی ہر علمی، عملی، معاشرتی، سماجی، سیاسی، مناظرانہ، مدرسانہ سرگرمیوں کی پشت پر ان کے شیوخ اور بزرگوں کا فیضانِ نظر، ان کی روحانی تاثیر اور خود مولانا کے باطنی مجاہدات، عبادات، اذکار اور آہ نیم شبی کا سائبان تنا ہوا تھا۔ مولانا اورکزئیؒ کا ہر قول وفعل، اسی قلبی ورادت اور فراست باطنی کے زیر سایہ وجود پذیر ہوتا تھا، یہی سبب ہے کہ اس کے اثرات بہت ثمر آور اور دور رس ثابت ہوئے ـــــ الغرض انھیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسب ومحنت اور بزرگوں کے فیضانِ نظر سے اس دور اضمحلال میں مجموعہ کمالات بن سکتا ہے تو آپ اس کا ایک نہایت صاف، شفاف اور کامل مظہر تھے۔

کرامات اولیا: اہل سنت وجماعت کا اجماعی مسلک:

ماضی قریب تک سلف اور اکابر کے سوانحی تذکروں کے ضمن میں ہمارے یہاں ایک عمومی ذوق یہ بھی پایا جاتا تھا کہ اپنے ممدوح بزرگ کے حالات وکمالات کو بیان کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر صادر ہونے والی کرامات اور خرق عادات امور کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا، لیکن کچھ عرصے سے بدعقیدگی اور اختلال فکر کے خوف نے ہماری عصری روایت کے جدید سوانح نگاروں کو کرامات وغیرہ کے بیان اور خرق عادات امور کے اظہار کی طرف سے ضرورت سے زیادہ محتاط کر دیا ہے۔ یہ احتیاط اگر حدود میں رہتے ہوئے ملحوظ رکھی جاتی تو نہ صرف مستحسن بلکہ لائق تقلید تھی، لیکن اب اس انداز کی پیروی نے خود ایک طرز کی ''بدعقیدگی'' کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اہل سنت کے یہاں حضرات اولیاء سے کرامات کے صدور کو عقائد حقہ میں شمار کیا گیا ہے:

الکرامات للاولیاء حق.[۱۶]

''حضرات اولیاء کرام سے کرامات کا صدور حق ہے''۔

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ اہل سنت و جماعت کا متفقہ مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بداں کہ ظہور کرامت جایز ست بر ولی اندر حال صحت تکلیف بر دی و فریقین از اھل سنت و جماعت بریں متفق اند۔ [۱۶۲]

''جان لو کہ ولی پر تکلیف شرعی کے صحیح ہونے کی حالت میں کرامت کا ظہور بالکل درست ہے۔اس پر اہل سنت کے دونوں فریق بھی متفق ہیں''۔

مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

بداں کہ فقہائے امت را از اہل سنت و جماعت و اہل معرفت را اجماع است کہ کرامت اولیاء جائز است۔ [۱۶۳]

''معلوم ہو کہ اہل سنت و جماعت کے فقہائے امت اور اہل معرفت کا اجماع ہے کہ کرامت کا صدور اولیا اللہ سے جائز ہے''۔

کرامات پر اعتقاد ضروریات اہل سنت میں سے ہے۔ دلائل قطعیہ سے ثابت شدہ کرامات پر اعتقاد فرض ہے اور کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے۔ [۱۶۴] دلائل ظنیہ سے ثابت شدہ کرامات کو تسلیم کرنا بھی لازم اور ضروری ہے اور اس کا انکار ضلالت اور گمراہی ہے۔ [۱۶۵]

کرامات: عقیدۂ توحید کی تکمیل:

وہ شخص جسے کرامات کا سننا یا پڑھنا گراں گزرے وہ اہل سنت و جماعت کے اعتقادی منہج سے ادنیٰ درجے کی بھی علمی اور ذوقی مناسبت نہیں رکھتا۔ کرامات کے منکر کا عقیدۂ توحید ناقص رہ جاتا ہے، چاہے وہ عقیدۂ توحید پر کیسی ہی دھواں دھار تقریر کر لے، اس لیے کہ کرامات ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی توقیر اور ہمت افزائی کے حسی مظاہر سامنے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی زندگیوں میں امداد و اعانت کا فعال تعلق مشاہدے میں آتا ہے۔ ان کرامات کے ذریعے انسان کا اللہ تعالیٰ، اس کی قدرت کاملہ اور طاقت شاملہ پر ایمان مزید مستحکم ہوتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

''محققین کے نزدیک [کرامت] کی کوئی حد نہیں، کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے، واسطے اظہار کرامت و قرب و مقبولیت اس ولی کے۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود کیسے ہو سکتی ہے''۔ [۱۶۶]

اگر کرامات سے متوحش افراد یا گروہ کے بیانات یا تحریریں ملاحظہ کی جائیں تو یہ بات صاف ہوجاتی کہ وہ بس چند رٹے رٹائے مباحث ہی تک محدود ہوتی ہیں۔عقیدۂ توحید کا اثبات، ذات وصفات باری تعالی کے مسائل، تشبیہہ وتنزیہہ کے مباحث، اللہ تعالیٰ کی فعال قدرت اور اس کی بے مثل حکمت وبصیرت ایسے مضامین کے بیان میں جو علو، ندرت، عمق اور ذات الٰہی کی عظمت و جبروت کا پورا پورا لحاظ جن نزاکتوں اور احتیاطوں کا تقاضا کرتا ہے اس کا عشر عشیر بھی ان نادانوں کو حاصل نہیں۔ان خوش فہمیوں کا تصور توحید شان رسالت اور احترام اولیا سے، نادانستہ ہی سہی، غیر آشنا معلوم ہوتا ہے۔مولانا اورکزئیؒ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے ایسے ہی نادان مبلغوں اور سادہ لوح مصنفین کو تنبیہہ فرمائی ہے کہ:

''توحید کے تحفظ واظہار کے ساتھ اہل اللہ کا احترام ملحوظ خاطر رہے۔عبداً من عبادنا و التنکیر التعظیم والاضافة للتشریف''.[۱۶۷]

کرامات: عقیدۂ رسالت کی حقانیت کی دائمی شہادت:

توحید کی طرح کرامات کے منکر یا اس سے متوحش کا رسالت پر ایمان بھی محض قانونی اور ضابطے کا ہو کر رہ جاتا ہے۔اس لیے کہ علما و عارفین کی تصریح کے مطابق ولی سے کرامات کا صدور اپنے نبی کے دعوے کی سچائی کی تائید کے لیے ہوتا ہے[۱۶۸] ——— نبی کے معجزے کی قطعیت اور ولی کی کرامت کی ظنیت، نبی کی اپنے معجزے سے باخبری اور ولی کی اپنی کرامت سے بے خبری کے باوصف دونوں کا منبع ومصدر ایک ہی ہے: یعنی فعل الٰہی ——— لہٰذا نبی کی تصدیق رسالت پر اولیا کی کرامات کی گواہی کا تا قیامت اجرا صداقت نبوت ہی کی ایک محکم دلیل ہے۔مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ لکھتے ہیں:

> از اں کہ معجزہ عاداتِ خلق را ناقض است چوں کرامت ولی عین معجزہ نبی بود از اں چہ کرامتِ امت معجزۂ پیغمبر است کہ شریعتِ وے باقی است باید کہ حجت وے نیز باقی باشد. پس اولیا گواہ اند بر صدقِ رسالتِ رسولؐ تا قیامت.[۱۶۹]

''معجزہ ناقض عادت کا نام ہے اور کرامت بھی دوسرے پردے میں وہی شے ہے تو درحقیقت ولی کی کرامت بھی عین معجزۂ نبی ہے، کیوں کہ کرامت وہی دلیل پیش کرتی ہے جو نبی کے معجزے نے دکھائی تھی۔جب نبی کی شریعت باقی ہے تو لازم ہے کہ اس کی حجت ودلیل بھی باقی رہے۔پس رسول کے صدقِ رسالت پر اولیا اللہ قیامت تک گواہ رہیں گے''۔

کرامات اولیاء: ضروری اور قابل لحاظ امور:

کرامات کے بیان سے قبل اتنی بات ضرور بیان کر دینی چاہیے کہ: [۱] کرامات میں ولی کا اختیار نہیں ہوتا۔ [۲] کرامات میں قطعیت نہیں پائی جاتی۔ [۳] کرامات میں کلیت نہیں پائی جاتی۔ [۴] کرامات میں دوام نہیں ہوتا بالفاظ دیگر کرامت کے لیے انقطاع ضروری ہے۔

ان تمام امور کو مخدوم الملک حضرت شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے چند سطور میں بیان فرما دیا ہے:

بداں کہ در معجزہ اظہار شرط است و در کرامت کتمان شرط است. و دیگر آن کہ انبیاء بدانند کہ ایں معجزہ است و پیش از آمدن دہند از معجزات. اما اولیار فتن کرامات خبر ندارند و پیش از کرامات خبر نہ دہند. و ایں است کہ ولی را محل ولایت ثابت نہ گردد تا خویشتن را کمترین ہمہ خلق بداند چوں خویشتن داند او را دعوی کرامات کے بود. و چوں دعویٰ نباشد بہ آمدن و رفتن کرامت۔ [۷۰]

''سنو! معجزے کے لیے اظہار شرط ہے اور کرامت کے لیے استتار۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیا کو معلوم ہے کہ یہ معجزہ مجھ کو ملا ہے اور قبل ظاہر کرنے کے فرما دیتے ہیں۔ مگر اولیا نہیں جانتے کہ یہ کرامت مجھ کو ملی ہے اور نہ صدورِ کرامت کی خبر رکھتے ہیں اور نہ کرامت سرزد ہونے کی پہلے سے خبر دیتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ولی محلِ ولایت پر اس وقت تک ثابت قدم نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے کو کم ترینِ خلق نہیں جانتا۔ جب وہ اپنے کو ایسا ہیچ جانتا ہے تو اُسے دعویٰ کرامت کب ہوگا اور جب اس کو دعویٰ نہیں تو کرامت کے آنے جانے کی خبر کیا ہوگی''۔

الغرض جو شخص کرامات کا منکر ہے فی الحقیقت اس کا توحید اور رسالت دونوں پر عقیدہ کمزور ہے اور جو شخص کرامات کو علی الاطلاق ولی کا تصرف و اختیار باور کرتا ہے وہ بھی بندوں کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی فعال قدرت کا منکر ہے۔

کرامات کا اخفا اس ولی کے لیے مستحسن ہے جس سے کرامات صادر ہوتی ہوں، لیکن کرامات کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے کرامات کا چھپانا بڑی نادانی اور محرومی کی بات ہے ـــــ اسلاف اہل سنت و جماعت کی اتباع میں مولانا اورکزئیؒ لکھتے ہیں:

''خوارق بہ صورت معجزات وکرامات حق ہیں۔ كحياة الحوت المشوى وامساك الماء عن الجرى وغير ذلك وكا قامة الجدار باشارة اليد او مسها على القول الاصح. [۱۷۱]

شہیداورکزئیؒ کی منتخب کرامات:

شہید مولانا اورکزئیؒ کی پوری زندگی فی الحقیقت ایک بندۂ مومن اور متبع سنت کی زندگی ہونے کے باعث ''کرامت'' ہی سے عبارت تھی۔ آپ ساری عمر شریعت پر عامل اور دین کے محافظ و پاسبان رہے، لہٰذا اصول "الاستقامة فوق الكرامة" کے تحت آپ کی یہ کرامت تمام حسّی کرامات سے بہ درجہا افضل اور عام و تام ہے۔ اس کے ساتھ آپ کو جو عظیم الشان مرتبہ شہادت عطا ہوا وہ ایک مستقل باب کرامت ہے جس کا ظہور دنیا میں تو ہوا ہی، ان شاءاللہ، میدان حشر میں بھی قابل رشک ہوگا ـــــ ذیل میں شہیداورکزئیؒ کی بعض کرامات کو اختصار سے بیان کیا جاتا ہے:

[۱] مولانا محمد امین اورکزئیؒ کا اپنے مرشد حضرت مولانا سراج الیوم گڑھئی بابا جی قدس سرہٗ سے ان کے انتقال کے بعد بھی فیض رسانی کا تعلق رہا۔ مولانا کے بھانجے روایت کرتے ہیں کہ:

> ''ایک سفر بندے نے حضرت مولانا سراج الیوم [گڑھئی بابا جی] کی قبر پر حاضری کا ساتھ کیا تھا۔ آپ بڑی دیر تک قبر پر مراقب رہے۔ سر اٹھا کر فرمایا، بھانجے! حضرتؒ نے سلام کا جواب ایسے دیا ہے جیسے زندہ دیتے ہیں''۔ [۱۷۲]

حضرت شہیدؒ کے بھانجے ایک اور کرامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ماموں جان کی ایک چیز میں نے یہ بھی مشاہدہ کی کہ جس طرح آپ کو ماحول میں انوارات کا مشاہدہ ہوتا، اسی طرح نحوست اور تاریکی بھی مشاہدہ کر لیتے۔ ایک بار پنڈی سے واپسی پر جنڈ [اٹک] میں ایک جگہ میں نے دوائی کھانے کے لیے ہوٹل پر گاڑی روکی۔ ماموں جان گاڑی میں بیٹھے رہے، میں نیچے آیا اور ہوٹل کے ایک کونے میں جا کر ڈرم سے پانی کا گلاس بھرا، اسی کونے میں دوسری طرف ایک ملنگ سیاہ لباس میں ملبوس، انتہائی گندا اور بدبودار، بڑے بالوں اور خوفناک مونچھوں والا زنجیریں لپیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اندھیرے میں بیٹھنے کی وجہ سے مزید ڈراؤنا لگ

رہا تھا۔ مجھے بھی اُسے دیکھ کر ڈر سا لگا۔ جلدی جلدی پانی پی کر گاڑی میں واپس آیا۔ بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا، بھانجے! شیطان بیٹھا ہوا تھا؟ مجھے سخت حیرت ہوئی کیونکہ وہ تو روڈ سے مکمل اوجھل تھا بلکہ ہوٹل کے اندر جا کر بھی بہ مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ یہ حضرت کو کیسے پتا چل گیا، مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی بد دین جادوگر ہے اور اس کی ظلمت اردگرد پھیلی ہوئی ہے، جس کا حضرت کو مشاہدہ ہو گیا ہے''۔ [۱۷۳]

مزید فرماتے ہیں:

''ایک بار میں نے تکوینی مشائخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امور سپرد کیے جانے کے بارے سوال کیا۔ آپ اس پر بحث فرماتے رہے، پھر حضرت مدنیؒ کا تذکرہ چھڑ گیا، آخر میں مجھ سے فرمایا: بھانجے! جو مدارس توکل اور اخلاص پر چلتے ہیں اور مخلوق کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچتے ہیں، تکوینی طور پر ان کا انتظام آج بھی حضرت مدنیؒ کے سپرد ہے''۔ [۱۷۴]

[۲] مجذوب ایسے سالک کو کہا جاتا ہے جس کی عقل کسی وارد غیبی سے زائل ہو جائے۔ اسی وجہ سے ایک استغراقی کیفیت ان پر غالب رہتی ہے۔ اعمال دینیہ سے محرومی کے باعث مجاذیب کے احوال میں ترقی نہ ہونے اور کامل ہونے میں کئی سوالات کے باوجود ان کا مقبول ہونا مسلّم ہے، اگر وہ واقعی مجذوب ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہو اور وقت کے اہل بصیرت ان پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ [۱۷۵]

مجاذیب کے متعلق رائے دینے کے معاملے میں مشائخ اہل سنت کا مسلک سکوت کا ہے۔ بالفاظ دیگر ان کی تقلید جائز ہے اور نہ تکفیر۔ البتہ ان کے احترام اور خدمت کی تاکید کی گئی ہے۔

حضرت مولانا اورکزئیؒ کے پاس بھی مجاذیب کی آمد و رفت رہتی تھی اور آپ ان کا اکرام و احترام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا کے بھتیجے روایت فرماتے ہیں کہ:

''کراچی کے قیام میں ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ استاذ صاحب کے پاس کثرت سے کچھ مجذوب حضرات آتے تھے اور گھنٹوں آپ کے پاس بیٹھے رہتے۔ وہ لوگ استاد صاحب سے بہت محبت کرتے تھے اور استاذ صاحب بھی ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان میں سے دو کا آنا جانا تو بہت کثرت سے رہتا

تھا۔ان میں سے ایک عالم دین بھی تھے اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے ہم جماعت تھے۔ان کا عجیب مزاج تھا،کبھی بہت گہری علمی گفتگو فرماتے اور تصوف کے عجیب رموز واسرار بیان کرتے اور کبھی کبھار ایسی گالیاں بکتے کہ غصہ آنے لگتا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ایسا بھی ہوتا کہ کبھی کبھی اپنے آپ کو چہرے پر مارنا شروع کرتے جیسا کہ میت پر نوحہ کرنے والی [عورتیں] منہ پیٹتی ہیں اور اپنے آپ کو مخاطب کرتے کہ خبیث! تم نے ابھی تک ایک حدیث یاد نہیں کی۔ساری عمر یوں ہی ضائع کردی اور جب اس جذب کی حالت سے نکلتے تو فرفر زبانی ایسی احادیث سنانا شروع کرتے کہ ہم حیرت میں ڈوب جاتے۔ہم استاذ صاحب سے پوچھتے کہ اس کو کیا ہو جاتا ہے، اتنا اچھا عالم ہے، پھر بھی گالیاں دیتا ہے اور اپنے آپ کو مارتا ہے تو استاذ صاحب ہمیں سمجھانے کے لیے فرماتے کہ زیادہ محنت کی وجہ سے ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

ایک اور مجذوب تھا جس کا نام محمد قاسم تھا، یہ روزانہ حضرت کی ملاقات کے لیے آتا اور ہر روز کوئی نہ کوئی چیز تحفے، ہدیے میں اپنے ساتھ ضرور لاتا۔اکثر اعلیٰ قسم کی خوشبو حضرت کو پیش کرتا۔حضرت کراچی سے جب اپنے علاقے تشریف لائے تو قاسم یہاں بھی آتا تھا۔حضرت استاذ صاحبؒ ان کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، کھانے پینے کا انتظام فرماتے اور ان کی آرام وراحت کی فکر کرتے۔استاذ صاحبؒ کبھی کبھار بطور مزاح فرماتے کہ میرے خیال میں میں بھی دیوانہ ہوں کیونکہ **الجنس یمیل الیٰ الجنس** والی بات ہے''۔[۱۷۶]

مجاذیب بالعموم اصحاب کشف ہوتے ہیں اس لیے ان کا کسی ایسے شخص کے ساتھ متذکرہ نوعیت کا تعلق ہو ہی نہیں سکتا جو سلوک میں جعلی ہو یا دین داری کے لبادے میں فی الحقیقت بندۂ دنیا ہو۔

[۳] مولانا اورکزئیؒ کی یہ کرامت بھی عجیب تھی کہ اگر کوئی شخص ان کے سامنے جھوٹ بولتا یا کسی کی غیبت کرتا تو انھیں اس کی خبر ہو جاتی اور طبیعت میں انقباض وتکدر پیدا ہو جاتا۔اس سلسلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا کے ایک شاگرد لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ ہنگو سے کچھ حضرات دوران اعتکاف آ گئے، امن وامان کے حوالے سے حضرت کے ساتھ گفتگو کرنے لگے، دوران گفتگو حضرت نے اپنے منہ پر اس انداز سے ہاتھ رکھا تھا کہ ناک بھی بند کی ہوئی تھی نیز رفتہ رفتہ حضرتؒ کا چہرہ بھی سرخ ہوتا جارہا تھا۔ جب وہ حضرات رخصت ہوئے تو حضرت اپنے معمولات میں مصروف ہوگئے، میں حضرت پر کافی بوجھ محسوس کررہا تھا، ان افراد کی طرف سے بھی کوئی نامناسب بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ افطاری کے بعد میں نے حضرت کو دوائی استعمال کرنے کے لیے کہا لیکن حضرت نے ٹال دیا۔ تراویح پڑھنے کے بعد میں نے دوبارہ حضرت سے عرض کیا کہ آپ کو تکلیف ہے، آج کل راتیں بھی لمبی ہیں، تکلیف بڑھ گئی تو مسئلہ ہوگا۔ ابھی چیک اپ کے لیے شاہو سے ڈاکٹر کو بلالیں گے۔ حضرت نے فرمایا، جسمانی تکلیف نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی تکلیف ہے لیکن اسے میری زندگی میں راز رکھنا، اس کو افشا نہیں کرنا، میرے ساتھ کافی عرصے سے یہ معاملہ ہے کہ مجلس میں جب کوئی جھوٹ بولتا ہے یا غیبت کرتا ہے تو ایسی بدبو محسوس ہوتی ہے جیسے انسان کی گندگی اور غلاظت کی بدبو اور یہ لمحات میرے لیے انتہائی تکلیف دہ ہوتے ہیں پھر رمضان میں اور اللہ تعالیٰ کے گھر میں ایسے لمحات اور بھی شدید تکلیف کا باعث ہوتے ہیں اور کافی دیر تک ذہن پر بوجھ رہتا ہے۔ اس واقعے کے بعد میں حضرت کے سامنے بات کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا تھا''۔ [۱۷۷]

[۴] دنیا کی محبت اور دین ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی فقر وتنگی کی مثال تھی، لیکن باوجود اس کے کہ ساری کائنات کے خزانے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار تھے، لیکن اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقر کو غنا پر ترجیح دی۔ [۱۷۸] حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی سنت حضرات اہل بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوتی ہوئی علما، فقہا اور صوفیہ تک منتقل ہوئی۔ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تصوف کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

والتصوف ليس أخذ عن القيل والقال ولكن أخذ من الجوع وقطع المألوفات والمستحسنات. [۱۷۹]

''اور تصوف محض قیل و قال اور بحث و تمحیص سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ تصوف کا حصول لذت و شہوات کو ترک کر دینے سے وابستہ ہے''۔

ان حضرات نے اسباب فراوانی کے ہوتے ہوئے تعیّشات دنیا سے منھ پھیرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متذکرہ سنت کی اتباع اور اس سے والہانہ تعلق کی برکت سے انھیں واقعتاً اللہ تعالی نے یہ کرامت بخشی تھی کہ مٹی کو سونا بنا دیں۔ حضرت مولانا اورکزئیؒ کی زندگی سے بھی اس نوعیت کی کرامت کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے، حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ مدظلہا روایت کرتی ہیں:

''ایک موقعے پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! بحمداللہ میں تو ہر حال میں آپ کے ساتھ راضی ہوں اور ہر حالت کو اللہ کا انعام سمجھتی ہوں لیکن دل چاہتا ہے کہ ذرا بچوں کے لیے عمدہ لباس، عمدہ چیزیں اور عمدہ کھانا پینا ہوا کرے۔ اس پر قدرے جلال میں آ کر فرمایا کہ تو بچوں کی عجیب ماں ہے! عمدہ لباس پہنا کر اور عمدہ چیزیں دلوا کر زبردستی انھیں ہلاکت کے گڑھے میں پھینکنا چاہتی ہے۔ آپ اس وقت اکڑوں بیٹھے ستون سے پشت لگائے ہوئے تھے۔ سامنے ایک چھوٹا سا پتھر پڑا تھا۔ جلال میں وہ ہاتھ میں اُٹھایا اور اُس پر نظریں گاڑھ دیں۔ میں دیکھ کر دہل گئی کہ اُس کا رنگ بالکل زرد سونے جیسا ہو گیا، پھر اُسی جلال میں مجھے مخاطب کر کے بولے کہ تیرا کوئی بھائی نہیں، ورنہ میں تجھے یہ پتھر دے کر کہتا کہ جا اپنے بھائی کو دے اور اُسے کہہ کہ اسے دُنیا میں لے کر پھرے کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ پھر وہ پتھر دور پھینکتے ہوئے بولے، یہ دُنیا کا سامان اور آسائش کچھ نہیں، میں روزانہ دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہوں کہ مجھے اور میری اولاد کو دُنیا کے فتنے سے محفوظ رکھنا۔ آپ کے اس تصرف سے میری ایسی آنکھیں کھلیں کہ آئندہ کبھی اولاد کے لیے بھی عمدہ چیز کی خواہش پیدا نہ ہوئی''۔[180]

اس واقعے میں کنکر کا سونے جیسا بن جانا اتنی بڑی کرامت نہیں ہے۔ یہ کمال تو مشق سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اصل کرامت تو اس وصف کی موجودگی میں تنگی اور سختی کو بہ خوشی برداشت کرنا، بلکہ اس سے لطف اندوز ہونا ہے۔[181]

مولانا اورکزئی شہیدؒ کی ولایت و کرامت خوشبو اور ہوا کی طرح دوسروں کو بھی مستفیض کر دیتی تھی۔ مولانا کے ایک شاگرد ان کے درس کے انوار و برکات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شرح النقایہ کے درس میں ایک عجیب کیفیت منکشف ہوئی، وہ یہ کہ جب استاد صاحب شرح النقایہ میں کوئی حدیث پڑھاتے، تو حدیث کا سارا منظر استاد صاحب کے آس پاس منکشف ہو جاتا اور بالکل ایسے واضح دکھائی دیتا۔ جیسے ایک بڑے پردے [سکرین] پر دوڑتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ مثلاً جمعے کے دن دوران خطبہ [تحیۃ المسجد] پڑھنے پر حضرت ملا علی قاریؒ نے بحث فرمائی ہے اور صحابی سلیک غطفانیؓ کا مسجد میں آنا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے ارشاد فرمانا کہ اٹھو اور تحیۃ المسجد پڑھو۔ یہ پورا واقعہ استاذ صاحب کے پڑھانے کے دوران میرے سامنے ایسا منکشف ہوا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے سارا منظر دیکھا۔ درس کے بعد میں سوچتا رہا کہ آخر یہ کیا ہے؟ کہ استاذ صاحب کی زبان سے حدیث کے جو کلمات مبارکہ نکلتے ہیں وہ بہ مشکل صورت ہمیں نظر آتے ہیں۔ اس طرح میں نے احادیث میں مذکور کئی واقعات کا مشاہدہ کیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت پر بحث ہو رہی تھی۔ جرح و تعدیل والوں نے وہاں رواۃ پر بڑا طویل کلام کیا ہے اور بعض راویوں کے ضعف کی بنا پر اسے نا قابل استدلال سمجھا ہے۔ بحث چل رہی تھی کہ ایک عجیب صورت منکشف ہوئی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدرسے کے قریب ایک خندق کے پاس کسی شے پر ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے دائیں گھٹنے کے پاس بیٹھی ہے اور اپنے ہاتھ مبارک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنے پر رکھے ہوئے ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنے مبارک کو دبا رہی ہے۔ اسی اثنا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیں آواز دیتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتی ہے: **سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول.....**

جب مزید سننا اور دیکھنا چاہا تو یہ منظر غائب ہو گیا۔ میں نے استاذ صاحب کے درس کی یہ کیفیت اب تک چھپا کر رکھی تھی، لیکن اب برداشت نہ ہو سکا اور رات کو دارالمطالعہ میں استاذ صاحب سے ساری صورت حال عرض کر دی۔ استاد صاحب

نے سن کر ماتھے پر ہاتھ مارا اور فرمانے لگے، بے وقوف انسان! یہ باتیں بھی کوئی بتاتا ہے؟ یہ بتانے کی باتیں ہوتی ہیں؟ بدقسمت! یہ تو راز ہوتے ہیں اور بتانے سے یہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر وہی ہوا کہ ہمیں استاذ صاحب کے درس میں یہ چیز نصیب نہیں ہوسکی، میں نے اس کے بعد بہت کوشش کی، بہت توجہ کی مگر بے سود۔ استاذ صاحب کی عظمت اور مقام کی ان واقعات سے ہم پر ایک طرح کی ہیبت طاری ہو جاتی اور اندازہ ہوتا کہ آپ کا مقام کتنا اونچا ہے''۔[۱۸۲]

[۶] آخر میں مولانا اورکزئیؒ کی سب سے بڑی کرامت، ان کے مقام احسان پر فائز ہونے کی سب سے راست شہادت، ان کے شیخ وقت ہونے کے اہل ہونے کی سب محکم اور عظیم الشان دلیل درج ذیل دونوں واقعات کے لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ مولانا اورکزئی شہیدؒ کے صاحبزادے راوی ہیں:

''اسی طرح بریلوی مسلک کے ایک آدمی کو پنڈی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، اسے علماء دیوبند کے بارے میں کچھ اعتراضات تھے، اسے ہدایت کی گئی کہ آپ ہنگو مولانا امین صاحب کے پاس جائیں۔ وہ مولانا عدنان کاکاخیل مدظلہٗ کے ذریعے والد صاحب تک پہنچا۔ والد صاحب نے اس کا مثالی اکرام کیا، اسے 'روضہ پاک کی مٹی کو بیر زمزم اور بیر شفا کے پانی میں گوندھ کر بنائے گئے' کٹورے میں زمزم پلایا۔ یہ مٹی کا برتن حضرت بڑے احتیاط سے سنبھال کر رکھتے، غالباً یہ آپ کو اپنے استاذ مولانا فضل محمد سواتیؒ کی طرف سے ملا تھا، ان کے پاس روضہ پاک کی مٹی تھی، جو انھیں حضرت مدنیؒ نے دی تھی اور بہ وقت وفات انھوں نے اسے کفن اور ہونٹوں پر لگانے کی وصیت کی تھی۔ والد گرامی خود تو اس برتن کو استعمال نہیں کرتے تھے، بلکہ ہاتھ میں لیتے ہی حالت غیر ہو جاتی، لیکن ان صاحب کو اسی میں پانی پلایا، ہم اس پر بڑے حیران تھے کیوں کہ ہمیں تو واقعی صورت حال کا علم بعد میں ہوا، وہ تین دن ہمارے ہاں رہے۔ والد صاحب نے مجھے بلایا کہ اسے سیر وتفریح کے لیے ہمارے آبائی گاؤں شکر تنگی لے جاؤ، اور وہاں خصوصی اکرام کے بارے میں فرمایا۔ آخر میں اپنے وہ خاص الفاظ دہرائے کہ گناہ سے نفرت اور گناہ گار سے

محبت اسلامی تعلیمات میں سے ہے۔فرمایا، یہ اصلاً بریلوی نہیں، بے چارہ غلط فہمی کا شکار ہے، اور اسے ان غلط فہمیوں کی اصلاح کے لیے بھجوایا گیا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت پر سکتہ طاری ہوا۔ بندہ نے عرض کیا کہ جی! کس نے بھجوایا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے عقیدے کی اصلاح کے لیے میرے بیٹے محمد امین کے پاس جاؤ۔اس وجہ سے ان کی اچھی طرح مہمان نوازی کرو۔ میں نے ان صاحب کی زبان سے کئی بار سنا کہ کاش مولانا صاحب اتنی گم نامی اختیار نہ کرتے۔ ماشاءاللہ حضرت صحیح عقائد واعمال کتابوں سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بتاتے ہیں۔ان صاحب کے ساتھ والد گرامی کے رویے اور معاملے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے بارے میں والد صاحب کو بھی تاکید کی گئی تھی۔[۱۸۳]

مزید ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک شخص بیعت ہونے کی غرض سے آیا اور یہ کہا کہ مجھے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بشارت ہوئی کہ آپ جا کر مولانا محمد امین صاحب سے بیعت ہو جائیں، والد صاحب نے اسے کوئی توجہ نہیں دی، وہ تین دن تک مدرسے میں رہا، تیسرے دن والد صاحب نے مجھے بلا کر فرمایا کہ فلاں بندہ جو آیا ہے، اس کو رخصت کر دو، میں جا کر ان کو حکمت سے رخصت کرنا چاہا، مگر اس نے اپنا وہ خواب مجھے بھی سنایا۔ میں نے والد صاحب سے سفارش کے انداز میں کچھ عرض کرنا چاہا تو غصے کی حالت میں میری بات کاٹ کر فرمایا کہ ان کو کہہ دو کہ چلے جائیں، جھوٹ کیوں بولتا ہے؟ جب بھی کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں یہاں آنے کا حکم دیتے ہیں تو مجھے اس سے پہلے خواب میں بتا دیا جاتا ہے۔اس کے بارے میں مجھے کوئی اشارہ نہیں ملا۔اسے صاف بتا دو کہ اس جھوٹے خواب کی وجہ کہیں ارتداد کا شکار نہ ہو جائے، اسے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے''۔[۱۸۴]

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے شدید، والہانہ اور بے تابانہ تعلق ایک صوفی یا سالک کا سب سے مقبول عمل کہلا سکتا ہے۔اس شخص کے مرشد کامل ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے جسے مربیٔ کل سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ

سے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کا حکم جاری ہوتا ہو۔ کسی بزرگ کے شیخ ''کامل'' ہونے کی اس سے بڑی شہادت اور سند ہو ہی نہیں سکتی۔ [۱۸۵]

مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ کی احوال اور منتخب کرامات کے تفصیلی مطالعے سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ ان کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی ہر کرامت کسی شرعی حکم کی تائید، کسی امر خداوندی کی تعمیل، کسی منکر سے اجتناب، کسی بدعت یا بدعقیدگی کے ازالے کے طور پر ظہور پذیر ہوئی ہے۔ ان کرامات کا فوری تأثر یہ ہے کہ ان کے مطالعے سے شریعت پر استقامت کا جذبہ، عبادات کی طرف لپکنے کا ذوق، اوامر و نواہی کی پابندی کا شوق، معاشرت کو حسین بنانے کا خیال اور ہمہ وقت اپنے وجود سے صادر ہونے والے اعمال و افعال کا محاسبہ میسر آ جاتا ہے ـــــ ان تمام اوصاف کے باوصف مولانا شہیدؒ کا مسلک اپنی کرامات کے اخفا کا تھا، یہی محقق صوفیہ کا محتاط ترین مسلک ہے۔

حواشی

۱- شیخ احمد یحییٰ منیریؒ، مکتوبات صدی [فارسی]، حیدر آباد، شاہ لطیف آباد مغربی پاکستان، [س-ن]، مکتوب نمبر ۴۶، در بیان ذکر محبت، حصہ دوم، صفحہ ۲۸۔

۲- شیخ علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویریؒ، **کشف المحجوب** [فارسی]، لاہور: النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء، **باب المحبة وما يتعلق بها**، صفحہ ۳۳۵۔

۳- محولہ بالا، **باب المحبة وما يتعلق بها**، صفحہ ۳۳۵۔

۴- حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:
''ایک روز میرے شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: معین الدین! کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحب حضور کسے کہتے ہیں؟ صاحب حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقام عبودیت میں ہو اور ہر ایک واقعے کو اللہ کی طرف سے خیال کرے اور جانے اور اس پر راضی رہے، بلکہ اسے رحمت ہی خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے جسے یہ حاصل ہے وہ جہاں کا بادشاہ ہے بلکہ جہاں کا بادشاہ اس کا محتاج ہے''۔ [محمد خادم حسین زبیری [مرتب]، معین الارواح، کراچی: میر محمد کتب خانہ، [س-ن]، حصہ دوئم: سیرۃ مقدس، تعلیمات بالقلم، صفحہ ۲۴۰]۔

۵- مولانا محمد امین اورکزئی، **ارشاد الحليم الى ادب التعليم فى ضوء ما جرى بين الخضر والكليم عليهما السلام**، کراچی: مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۹، نکتہ نمبر ۲۶۲۔

۶- مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، ''مکتوب بہ نام حضرت مولانا صدیق احمد صاحب''، مشمولہ مکتوبات رشیدیہ، لاہور: المکتبۃ المدنیۃ، ۱۹۸۳ء، مکتوب نمبر ۱۸، صفحہ ۲۰۔

۷- عشق کے ان پانچ مراتب کے ساتھ مقام عشق کے پانچ ملحدین کے متعلق بھی پڑھ لیا جائے:
''اس مقام کے پانچ ملحد ہوتے ہیں۔ ملحد شریعت اس کو کہتے ہیں جو شرع شریف کے خلاف کام کرتا ہو خود کو محقق جانتا ہے۔ ملحد طریقت وہ ہے جو گزر بسر کی خاطر پیسہ ٹکا حاصل کرنے کے لیے مخلوق کی خدمت کیا کرتا، اپنے آپ میں رہا کرتا ہے۔ ملحد حقیقت وہ ہے کہ جو خود کو فقیر کہتا ہے، کہلاتا ہے، غیروں کی خوشامد کرتا ہے۔ ملحد معرفت وہ ہے جو خود کو عارف جانتا ہے غیر بین [دوسرے کا دیکھنے والا] ہوتا ہے غیر و غیریت ''میں-تو'' سے نہیں نکلتا۔ ملحد وحدت وہ ہے کہ اس کو حاضر جانتا، پاتا ہے۔ ہاتھ اٹھا کر عرش پر نظر رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا مدد و امداد کا طالب ہوتا ہے۔ [خواجہ سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ ''وجود العاشقین معروف بہ رسالہ عشقیہ''، مشمولہ یازدہ رسائل، [مترجم: قاضی احمد عبد الصمد]، لاہور: سیرت فاؤنڈیشن، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۷۷-۱۷۸]

۸- محولہ بالا، صفحہ ۱۷۷۔

۹- امام ابو حامد محمد الغزالیؒ، کیمیائے سعادت، تہران، ۱۳۸۰، علاج بہ دست آوردن خوف، جلد ۲، صفحہ ۴۰۹۔

حواشی

۱۰- شاہ ولی اللہؒ، **شفاء العلیل ترجمه القول الجمیل في بیان سواء السبیل**، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۷۰ء، تیسری فصل: مرید کی تربیت اور تعلیم کا بیان، صفحہ ۳۵۔

۱۱- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۲۸، نکتہ نمبر ۲۴۴۔

۱۲- محولہ بالا، صفحہ ۱۵، نکتہ نمبر ۱۰۱۔

۱۳- محولہ بالا، صفحہ ۱۵، نکتہ نمبر ۱۰۲۔

۱۴- محولہ بالا، صفحہ ۱۵، نکتہ نمبر ۱۰۰۔

۱۵- محولہ بالا، صفحہ ۱۹، نکتہ نمبر ۱۲۹۔

۱۶- مجدد الفِ ثانیؒ، مکتوباتِ امام ربانی، کراچی: ایچ۔ ایم سعید کمپنی، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷م، دفتر اوّل، مکتوب ۱۴۰، صفحہ ۲۴۶۔

۱۷- شیخ علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویریؒ، **کشف المحجوب** [فارسی]، **کشف الحجاب الاول في معرفة اللّٰه تعالیٰ**، صفحہ ۲۹۰۔

۱۸- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۱۷، نکتہ نمبر ۱۱۶۔

۱۹- محولہ بالا، صفحہ ۲۷، نکتہ نمبر ۲۴۳۔

۲۰- محولہ بالا، صفحہ ۲۰، نکتہ نمبر ۱۴۰۔

۲۱- محولہ بالا، صفحہ ۱۹، نکتہ نمبر ۱۲۹۔

۲۲- مولانا اشرف علی تھانوی، شریعت وطریقت [مرتب: مولانا محمد دین چشتیؒ]، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۱، صفحہ ۲۲۳۔

۲۳- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۱۹۔

۲۴- شیخ عین القضاۃ ہمدانیؒ، لواتح، تہران ۱۳۳۸ھ، صفحہ ۹۸۔

۲۵- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۷، نکتہ نمبر ۳۴۔

۲۶- محولہ بالا، صفحہ ۱۷، نکتہ نمبر ۱۱۹۔

۲۷- امیر خورد کرمانیؒ [مرتب]، سیر الاولیاء، دہلی: مطبع محبت ہند، ۱۳۰۲ھ، باب ہشتم، صفحات ۴۵۴-۴۵۵۔

۲۸- امام محمد بن عیسی ترمذیؒ، **جامع الترمذي**، ریاض: بیت الأفکار الدولیۃ، [س-ن]، **کتاب المناقب، باب في فضل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم**، صفحہ ۵۶۸، رقم ۳۶۱۶۔

۲۹- امام احمد غزالیؒ، ''سوانح''، مشمولہ مجموعۂ آثار فارسی احمد غزالی، [بہ اہتمام: احمد مجاہد]، دانش گاہ تہران، ۱۳۷۶ھ، ۱۸ فصل، صفحات ۱۲۸-۱۲۹۔

۳۰- شیخ جلال الدین رومیؒ، کلیات شمس / دیوان کبیر، تہران: مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، ۱۳۷۸ھ، حصہ سوم، غزل ۱۶۰۱، صفحہ ۲۹۱۔

۳۱- شیخ علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویریؒ، **کشف المحجوب** [فارسی]، **باب المحبة وما یتعلق بها**، صفحہ ۳۴۳۔

۳۲- محولہ بالا۔

۳۳- امام محمد بن عیسی ترمذیؒ، **جامع الترمذي**، **کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبي صلی اللّٰه علیه وسلم**، صفحہ ۵۸۹، رقم ۳۷۸۹۔

حواشی

۳۴- امام احمد غزالیؒ، ''سوانح''، مشمولہ مجموعۂ آثار فارسی احمد غزالی، ۸فصل، صفحہ ۱۱۹۔
۳۵- شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ، خیر المجالس، [مرتب: حمید شاعر قلندر]، کراچی: واحد بک ڈپو، [س-ن]، پانچویں مجلس، صفحہ ۲۲۔
۳۶- امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، **صحیح البخاري، بیروت**: دار ابن کثیر، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲م، **کتاب الایمان، باب حب الرسولؐ من الایمان**، صفحہ ۱۴، رقم ۱۴۔
۳۷- مولانا محمد فاروق، ''قافلہ اسلاف کا راہی'' مشمولہ سہ ماہی المظاہر [خصوصی اشاعت: مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ]، کوہاٹ: ندوۃ التحقیق الاسلامی، [س-ن]، صفحہ ۸۵۸۔
۳۸- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبار الاخیار، [مترجم: سبحان محمود اور محمد فاضل]، سہارن پور: مکتبہ دانش دیوبند، [س-ن]، قسط اول، مقدمہ، صفحات ۱۶-۱۷۔
۳۹- مولانا محمد یوسف، ''شہید اسلام حضرت مولانا محمد امین اورکزئی رحمہ اللہ کے احوال وآثار'' مشمولہ سہ ماہی المظاہر [خصوصی اشاعت: مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ]، کوہاٹ: ندوۃ التحقیق الاسلامی، [س-ن]، صفحات ۳۷-۴۷۔
۴۰- محولہ بالا۔
۴۱- مولانا قاری محمد قاسم، ''آفتاب رشد وہدایت'' مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۵۵۴۔
۴۲- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۴۷۔
۴۳- امام محمد بن عیسی ترمذیؒ، **جامع الترمذي، کتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع**، صفحہ ۴۳۳، رقم ۲۶۷۸۔
۴۴- شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، **عوارف المعارف**، مصر: المکتبہ العلامیہ، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹م، **الباب الرابع في شرح حال الصوفية واختلاف طريقهم**، صفحہ ۳۶۔
۴۵- مجدد الف ثانیؒ، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۴، صفحہ ۲۲۳۔
۴۶- امیر خورد کرمانی [مرتب]، سیر الاولیاء، باب ششم، صفحہ ۳۲۸۔
۴۷- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۴۷۔
۴۸- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۴۷۔
۴۹- محولہ بالا، صفحہ ۶۹۔
۵۰- محولہ بالا، صفحات ۷۰-۷۲۔
۵۱- محمد بن یزید القزوینیؒ، **السنن لابن ماجة**، دمشق: دار الرسالۃ العالمیۃ، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹م، **ابواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب الصلاة على النبيؐ**، جلد ۲، صفحہ ۷۲، رقم ۹۰۶۔
۵۲- نثار احمد فاروقی، ''حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی''، مشمولہ نقد ملفوظات، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹، صفحات ۴۴-۴۵۔
۵۳- امام ابوحامد محمد الغزالیؒ، **إحياء علوم الدين**، بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵م، **کتاب المحبة والشوق والأنس والرضا، بيان أن المستحق للمحبة هو الله وحده**، صفحہ ۱۶۴۔
۵۴- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۱۱۵۔
۵۵- محمد طفیل کوہاٹی، ''حضرت الاستاذؒ کی بعض منتخب تحقیقات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۳۴۴۔

۵۶- امام احمد بن علی خطیب بغدادیؒ، **کتاب الکفایة في علم الروایة**، ہند: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۵۷ھ، **باب ماجاء في تعديل الله ورسوله للصحابة**، صفحہ ۴۸۔

۵۷- امام محمد بن عیسی ترمذیؒ، **جامع الترمذي، کتاب الایمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة**، صفحہ ۴۲۸، رقم ۲۶۴۱۔

۵۸- محولہ بالا، **کتاب المناقب، باب في من سب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم**، صفحہ ۵۹۷، رقم ۳۸۶۲۔

۵۹- محمد طفیل کوہاٹی، ''حضرت الاستاذؒ کی بعض منتخب تحقیقات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر صفحہ ۳۴۴۔

۶۰- محولہ بالا، صفحہ ۳۴۰۔

۶۱- محمد طفیل کوہاٹی، ''حضرت الاستاذ کا اسلوب مکالمہ: 'مکاتیب ہدایت' کی روشنی میں''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحات ۲۴۵-۲۴۶۔

۶۲- امام ابوحامد محمد الغزالیؒ، **المستصفیٰ من علم الأصول**، شرکۃ المدینۃ المنورۃ للطباعۃ، [س۔ن]، **الباب الثانی في شروط الراوي وصفته، الشرط الخامس: العدالة**، جلد ۲، صفحہ ۲۳۱۔

۶۳- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، **الأصابة في تمییز الصحابة**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵م، **مقدمة المصنف، الفصل الثالث في بیان حال الصحابة من العدالة**، جلد ۱، صفحات ۱۶۲-۱۶۳۔

۶۴- محمد بن یزید القزوینیؒ، **السنن لابن ماجة، ابواب السنة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین الهدیین**، جلد ۱، صفحہ ۲۸، رقم ۴۲۔

۶۵- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۱۰۵۔

۶۶- محولہ بالا، صفحات ۸۳-۸۴۔

۶۷- خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، فوائد الفواد، [مرتب: خواجہ امیر حسن علا سجزیؒ]، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، جلد چہارم، مجلس دوازدہم ۱۲، صفحات ۲۲۳-۲۲۴۔

۶۸- ام مولانا محمد یوسف، ''میرے سر کا تاج.....جو ٹوٹ گیا!!!''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۳۸۷۔

۶۹- خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، فوائد الفواد، جلد اول، مجلس سی و پنجم ۳۵، صفحہ ۱۴۸۔

۷۰- محولہ بالا۔

۷۱- شیخ احمد یحییٰ منیریؒ، مکتوبات صدی [فارسی]، مکتوب نمبر ۲۴، در ارکان طریقت، حصہ اول، صفحات ۹۲-۹۳۔

۷۲- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحات ۱۱۹-۱۲۰۔

۷۳- مولانا رفیع اللہ خان، ''استاذ صاحبؒ کے ساتھ بیتے دن''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۴۴۸۔

۷۴- ام امداد اللہ، ''میرا غم خوار بھائی''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۴۳۶۔

۷۵- محولہ بالا، صفحہ ۴۳۶-۴۳۷۔

۷۶- مولانا محمد اسلام، ''زخم فراق''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۹۴۶۔

۷۷- محمد طفیل کوہاٹی، ''مولانا محمد امین اورکزئی شہید: سماجی کردار اور معاشرے پر ان کے اثرات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحات ۱۵۸-۱۵۹۔

۷۸- مولانا اورکزئیؒ میں بچپن ہی سے وہی حس بیدار تھی، جس کی وصیت تلاش مرشد کے لیے اکابر صوفیہ نے بیان فرمائی ہے:

أخلاق المشايخ مهذبة بحسن الاقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم وهم أحق الناس بإحياء السنته في كل ما أمر و ندب و أنكر و أوجب. [شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، **عوارف المعارف، الباب الثانی والخمسون في آداب الشيخ الخ،** صفحہ۲۹۳]

''مشائخ کرام کے آداب زندگی سنت کی اتباع سے ترتیب پاتے ہیں۔ یہی افراد [مریدین اور سالکین میں] سنت کے احیا کا استحقاق رکھتے ہیں ہر اس امر میں جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا، آپ نے اسے اچھا جانا اور جس سے آپ نے روکا یا ناپسند فرمایا''۔

۷۹- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ۶۵۔

۸۰- محولہ بالا۔

۸۱- محولہ بالا، صفحہ۶۱۔

۸۲- محولہ بالا، صفحہ۸۸۔

۸۳- **عن ثوبان، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يوشك الأمم أن تداعى عليكم، كما تداعى الأكلة إلى قصعتها". فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: "بل أنتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفن الله في قلوبكم الوهن". فقال قائل: يا رسول الله، وما الوهن؟ قال: "حب الدنيا، وكراهية الموت".** [امام سلیمان بن اشعث ابی داؤدؒ، **سنن أبي داؤد،** دمشق: دارالرسالۃ العالمیۃ، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹م، **كتاب الملاحم، باب في تداعي الأمم على الاسلام،** جلد۶، صفحہ۳۵۵، رقم۴۲۹۷]

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عن قریب [کافر] امتیں تمھارے اوپر چڑھ دوڑنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جس طرح کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ ایک آدمی نے عرض کیا، شاید اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نہیں! بلکہ تم کثرت میں ہوگے لیکن تمھاری حیثیت پانی کے اوپر بہنے والے جھاگ کی مانند ہوگی، اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے قلوب سے تمھارا رعب ختم کر دے گا اور تمھارے دلوں میں ''وھن'' پیدا کر دے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھن کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت''۔

۸۴- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ۶۴۔

۸۵- محولہ بالا۔

۸۶- محولہ بالا۔

۸۷- مولانا محمد امین اورکزئی، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم،** صفحہ۱۲، نکتہ نمبر۴۷۔

۸۸- محولہ بالا، صفحہ۱۲، نکتہ نمبر۶۷۔

۸۹- محولہ بالا، صفحہ۱۰، نکتہ نمبر۵۲۔

۹۰- محولہ بالا، صفحہ۱۰، نکتہ نمبر۵۴۔

۹۱- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ۶۷۔

۹۲- مولانا محمد امین اورکزئی، ''تقریظ بر حزب الاعظم''، بحوالہ محولہ بالا، صفحہ۶۸۔

۹۳- مولانا محمد امین اورکزئی، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم،** صفحہ۱۰، نکتہ نمبر۵۸۔

۹۴- محولہ بالا، صفحہ۱۴، نکتہ نمبر۸۸۔

۹۵- محولہ بالا، صفحہ ۲۰، نکتہ نمبر ۲۶۴۔
۹۶- محولہ بالا، صفحہ ۲۴، زکات نمبر ۱۹۳-۱۹۴۔
۹۷- محولہ بالا، صفحہ ۲۴، نکتہ نمبر ۱۹۵۔
۹۸- محولہ بالا، صفحہ ۱۴، نکتہ نمبر ۸۸۔
۹۹- محولہ بالا، صفحہ ۲۳، نکتہ نمبر ۱۸۳۔
۱۰۰- مولانا ابومحبّ اورکزئی، ''تم اہلِ دل سا جینا ہمیں سکھا کے چلے''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۴۱۶۔
۱۰۱- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۳۰، نکتہ نمبر ۲۶۷۔
۱۰۲- محولہ بالا، صفحہ ۱۰، نکتہ نمبر ۶۰۔
۱۰۳- محولہ بالا، صفحہ ۱۱، نکتہ نمبر ۶۳۔
۱۰۴- محولہ بالا، صفحہ ۱۱، نکتہ نمبر ۶۷۔
۱۰۵- محولہ بالا، صفحات ۱۱-۱۲، نکتہ نمبر ۶۱۔
۱۰۶- محولہ بالا، صفحہ ۱۵، نکتہ نمبر ۹۶۔
۱۰۷- محولہ بالا، صفحہ ۱۱، نکتہ نمبر ۶۹۔
۱۰۸- محولہ بالا، صفحہ ۲۸، نکتہ نمبر ۲۴۴۔
۱۰۹- مولانا محمد امین اورکزئی، ''مکتوب بہ نام مولانا اسلم شیخوپوری''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۱۱۷۔
۱۱۰- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۶۵۔
۱۱۱- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۱۰، نکتہ نمبر ۵۱۔
۱۱۲- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۶۵۔
۱۱۳- مولانا محمد امین اورکزئی، ''مکتوب بہ نام مولانا اسلم شیخوپوری''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۱۱۷۵۔
۱۱۴- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۵، نکتہ نمبر ۱۱۔
۱۱۵- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحہ ۶۶۔
۱۱۶- محولہ بالا۔
۱۱۷- محولہ بالا، صفحہ ۲۲، نکتہ نمبر ۱۶۰۔
۱۱۸- محولہ بالا، صفحہ ۹، نکتہ نمبر ۵۰۔
۱۱۹- محولہ بالا، صفحہ ۴۰، نکتہ نمبر ۳۶۔
۱۲۰- محولہ بالا، صفحہ ۷، نکتہ نمبر ۲۷۔
۱۲۱- محولہ بالا، صفحہ ۲۲، نکتہ نمبر ۱۷۰۔
۱۲۲- محولہ بالا، صفحہ ۶، نکتہ نمبر ۲۴۔
۱۲۳- محولہ بالا، صفحہ ۶، نکتہ نمبر ۲۵۔
۱۲۴- محولہ بالا، صفحہ ۷، نکتہ نمبر ۲۶۔
۱۲۵- محولہ بالا، صفحہ ۹، نکتہ نمبر ۴۷۔
۱۲۶- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، ''مکتوب بہ نام مولانا اسلم شیخوپوری''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۱۱۷۔
۱۲۷- محولہ بالا، صفحہ ۷، نکتہ نمبر ۳۲۔
۱۲۸- محولہ بالا، صفحہ ۷، نکتہ نمبر ۳۳۔

۱۲۹- محولہ بالا، صفحہ ۸، نکتہ نمبر ۳۷، ۳۸۔
۱۳۰- محولہ بالا، صفحہ ۸-۹، نکتہ نمبر ۳۹، ۴۰، ۴۴۔
۱۳۱- محولہ بالا، صفحہ ۹، نکتہ نمبر ۴۹۔
۱۳۲- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، ''مکتوب بہ نام مولانا اسلم شیخوپوری''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۱۱۷۵۔
۱۳۳- محولہ بالا، صفحہ ۷، نکتہ نمبر ۲۹۔
۱۳۴- محولہ بالا، صفحہ ۴، نکتہ نمبر ۸۔
۱۳۵- محولہ بالا، صفحہ ۵، نکتہ نمبر ۱۰۔
۱۳۶- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، ''مکتوب بہ نام مولانا اسلم شیخوپوری''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۱۱۷۹۔
۱۳۷- محولہ بالا ملخص، صفحات ۱۱۷۴-۱۱۷۵۔
۱۳۸- محولہ بالا، صفحہ ۱۱۷۵۔
۱۳۹- محولہ بالا، صفحہ ۱۱۷۶۔
۱۴۰- محولہ بالا، صفحہ ۱۱۷۱۔
۱۴۱- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم**، صفحہ ۲۲، نکتہ نمبر ۱۶۶۔
۱۴۲- چوں از ہمہ پاک شد عجبت خدا تعالیٰ راہ می دھند۔ [شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، انفاس العارفین، دہلی: مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزی، ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء، صفحہ ۱۴۲]
۱۴۳- چنانکہ بتفصیل در احیاو کیمیا مبین است۔ [محولہ بالا]
۱۴۴- مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، میرے والد ماجدؒ اور ان کے مجرب عملیات، کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، والد صاحب کے اساتذہ، صفحہ ۶۲۔
۱۴۵- شیخ عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ، **تلبیس إبلیس**، بیروت: دارالقلم، ۱۴۰۳ھ، **الباب العاشر، ذکر تلبیس إبلیس علی الصوفیة في ترك التشاغل بالعلم**، صفحہ ۳۱۲۔
۱۴۶- امیر خورد کرمانیؒ [مرتب]، سیر الاولیاء، باب اول، صفحہ ۱۰۱۔
۱۴۷- محولہ بالا۔
۱۴۸- مولوی محمد حسن، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، صفحہ ۴۴۷۔
۱۴۹- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبار الاخیار، قسط دوم، مولانا شمس الدین یحییٰ، صفحہ ۷۰۔
۱۵۰- تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے:
مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ''مولانا محمد امین اورکزئیؒ کا شرح طحاوی میں منہج واسلوب''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحات ۱۹۱-۱۹۶ ؛ مولوی جمیل احمد، ''**نثر الأزهار علی شرح معانی الآثار: چند خصوصیات و امتیازات**''، صفحات ۱۹۷-۲۰۳ ؛ مولانا نور البشر، ''**نثر الأزهار علی شرح معانی الآثار: ایک تعارفی جائزہ**''، صفحات ۲۰۴-۲۰۶ ؛ مولانا سمیع اللہ سعدی، ''مسانید الامام ابی حنیفہ کا تعارفی جائزہ''، صفحات ۲۰۷-۲۱۳۔
۱۵۱- مولانا اشرف علی تھانویؒ، تحفۃ العلماء، کراچی: البرکہ [س۔ن]، جلد ۲، صفحہ ۸۱۷۔
۱۵۲- امیر خورد کرمانیؒ [مرتب]، سیر الاولیاء، باب نہم، در بیان محضر سماع و بحث آں با حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ، صفحات ۵۲۵-۵۳۲۔

۱۵۳- عبدالغنی خورجویؒ،**قاصمة الظهر في بلند شهر**، لاہور: انجمن ارشاد المسلمین، ۱۹۷۹ء۔

۱۵۴- **المناظرة في العلم لنصرة الحق عبادة.** [علامہ ابن عابدین شامیؒ، **رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار**، الریاض: دار عالم الکتب، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳م، **کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ**، جلد۹، صفحہ۶۰۴]

''علم میں نصرت حق کے لیے مناظرہ عین عبادت ہے''۔

۱۵۵- اہل سنت و جماعت کی تاریخ میں اہل علم میں مناظرہ ہمیشہ رائج رہا ہے، خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

وجدنا أهل العلم في كل عصر يتناظرون ويتباحثون، ويحتج بعضهم على بعض.....وقد وجدنا الأمة متفقة على حسن المناظرة في هذه المسائل، وعقد المجالس بسببها. [امام احمد بن علی خطیب بغدادیؒ، **الفقيه والمتفقه**، ریاض: دار ابن الجوزی، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶م، **الجزء الثامن من تقسيم المؤلف، باب الكلام في أقوال المجتهدين، وهل الحق في واحد أو مجتهد مصيب**، جلد۲، صفحہ۱۲۱]

''ہم نے ہر عہد میں اہل علم کو آپس میں مناظرہ و مباحثہ کرتے اور ایک دوسرے پر دلائل پیش کرتے ہوئے پایا.....اور ہم نے ان مسائل میں مناظرے پر اور مجالسِ مناظرہ کے انعقاد کی خوبی پر ائمہ کرام کو متفق پایا''۔

۱۵۶- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحليم الى ادب التعليم**، صفحہ۱۴، نکتہ نمبر۹۳۔

۱۵۷- محولہ بالا، صفحہ۱۴، نکتہ نمبر۹۲۔

۱۵۸- تفصیل کے لیے دیکھیے:

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، ''مناظرہ کوہاٹ کی چند جھلکیاں''، مشمولہ مجموعہ رسائل، لاہور: ادارہ خدام احناف، ۲۰۰۱ء، صفحات۳۴۳-۳۷۲۔

۱۵۹- عبداللہ ناصح علوان، **تربية الأولا في الاسلام**، مصر: دار السلام للطباعة والنشر والتوزیع، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲م، **الربط الاجتماعی، ربط الولد بالمرشد**، جلد۲، صفحہ۸۰۶۔

۱۶۰- تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے:

محمد طفیل کوہاٹی، ''مولانا محمد امین اورکزئی شہید: سماجی کردار اور معاشرے پر ان کے اثرات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحات۱۴۲-۱۸۷]

۱۶۱- امام اعظم ابوحنیفہؒ، **الفقه الاكبر**، حیدرآباد دکن: مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ، ۱۳۴۲ھ، **المعجزات والكرامات حق**، صفحہ۱۰۔

۱۶۲- شیخ علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویریؒ، **کشف المحجوب** [فارسی]، **باب الكلام في اثبات الكرامات**، صفحہ۲۳۵۔

۱۶۳- شیخ احمد یحییٰ منیریؒ، مکتوبات صدی [فارسی]، مکتوب نمبر۱۰، در بیان کرامت و استدراج، حصہ اول، صفحہ۴۰۔

۱۶۴- **أجمع المحققون على ان ظهور الخارق عن المتنبى وهو الكاذب في دعوىٰ النبوة محال لأن دلالة المعجزة على الصدق قطعية.....بان خارق المتنبى يبطل حكمة ارسال الرسل لاشتباه الصادق والكاذب.** [علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ، **النبراس شرح شرح العقائد**، استنبول: مکتبہ آستانہ، [س-ن]، **اقسام الخوارق سبعة**، صفحات۲۷۲-۲۷۳]

''محققینِ اہل سنت و جماعت کا اولیاء کرام کی کرامات کے حق ہونے پر اجماع ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں.....اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور کتاب اللہ نے بھی بیان کیا ہے، جیسے سیدنا مسیح علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے صحابی کی کرامات .....جب کرامات کا وقوع ثابت ہو چکا تو اب اس کے جواز کے اثبات کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۶۵- **لأن خبر الواحد متحمل لا محالة ولا يقين مع الاحتمال و من أنكر هذا فقد سفه نفسه و أضل عقله.** [شیخ علاء الدین عبدالعزیز بخاریؒ، **كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷م، **باب خبر الواحد**، جلد۲، صفحات ۵۴۷-۵۴۸]

''کیوں کہ خبر واحد میں لامحالہ احتمال ہوتا ہے، اور احتمال کے ساتھ یقین ممکن نہیں، جو اس بات کا انکار کرے تو یہ اس کی بے وقوفی ہے، اور اس کے عقل کی کمی۔

۱۶۶- مولانا اشرف علی تھانویؒ، شریعت وطریقت، صفحہ ۳۲۶۔

۱۶۷- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحليم الى ادب التعليم**، صفحہ ۱۷، نکتہ نمبر ۱۱۷۔

۱۶۸- **والكرامة خارق للعادة إلا أنها غير مقرونة بالتحدي، وهي كرامة للولي وعلامة لصدق النبي، فإن كرامة التابع كرامة المتبوع** [ملا علی قاریؒ، **منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر**، بیروت: دار البشائر الاسلامیۃ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م، **خوارق العادات للأنبياء، والكرامات للأولياء حق**، صفحہ ۲۳۷]

''کرامت خرق عادت امر ہے۔ کرامت اور معجزے میں فرق یہ ہے کہ کرامت میں تحدی اور دعویٰ نہیں پایا جاتا۔ ولی کی کرامت نبی کی سچائی کی دلیل ہوتی ہے اور فی الحقیقت نبی ہی کا معجزہ ہے''۔

وكرامات أولياء الله إنما حصلت ببركة اتباع رسوله صلى الله عليه وسلم فهي في الحقيقة تدخل في معجزات الرسول صلى الله عليه وسلم. [حافظ تقی الدین ابن تیمیہؒ، **مجموع فتاوىٰ**، الریاض: مکتبۃ الملک فھد الوطنیۃ، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴م، **الفرق بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان، سبب حصول الكرامات للأولياء الخ**، جلد۱۱، صفحہ ۲۷۵]

''اولیاء اللہ کو کرامات سے نوازے جانے کی وجہ ان کا اتباع سنت ہے، اس لیے کرامات اولیاء درحقیقت معجزات رسول ہی کا حصہ ہیں''۔

۱۶۹- شیخ احمد یحییٰ منیریؒ، مکتوبات صدی [فارسی]، مکتوب نمبر ۱۰، در بیان کرامت و استدراج، حصہ اول، صفحہ ۴۱۔

۱۷۰- محولہ بالا۔

۱۷۱- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحليم الى ادب التعليم**، صفحہ ۱۹، نکتہ نمبر ۱۳۷۔

۱۷۲- حاجی اعظم خان، ''سر تکوین کا محرم راز'' مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۴۷۸۔

۱۷۳- محولہ بالا، صفحہ ۴۸۲۔

۱۷۴- محولہ بالا، صفحہ ۴۷۸۔

۱۷۵- مولانا اشرف علی تھانویؒ، شریعت وطریقت، صفحات ۳۴۳-۳۴۵۔

۱۷۶- مولانا محمد طاہر، ''میرے مشفق چچا جان'' مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحات ۴۶۴-۴۶۵۔

۱۷۷- مولانا ابو محبّ اورکزئی، ''تم اہل دل کا سا جینا ہمیں سکھا کے چلے'' مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ ۴۱۹۔

۱۷۸- عن أبی هریرة قال: جلس جبریل إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فنظر إلی السماء، فإذا ملك ینزل، فقال جبریل: [إن] هذا الملك ما نزل منذ [یوم] خلق قبل الساعة، فلما نزل قال: یا محمد، أرسلنی إلیك ربك أفملکا نبیا أجعلك، أو عبدا رسولا؟ قال جبریل: تواضع لربك یا محمد. قال: "بل عبدا رسولا". [امام ابی بکر ہیثمیؒ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، کتاب علامات النبوة، باب فی تواضعه صلی اللّٰه علیه وسلم، جلد۸، صفحہ۲۱۷، رقم ۱۴۲۰۹]

۱۷۹- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، فتوح الغیب، مصر: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳م، المقالة الخامسة والسبعون في التصوف الخ، صفحہ۱۶۶۔

۱۸۰- ام مولانا محمد یوسف، ''میرے سر کا تاج..... جو ٹوٹ گیا''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحہ۳۹۰۔

۱۸۱- سلوک کی یہ ہی وہ منزل ہے جسے خود حضرت شہید نے اپنے شیخ حضرت گڑھئی باباجی قدس سرہٗ سے ''مقام مصطفیٰ'' کے نام سے روایت فرمایا ہے:

''حضرت اقدس شیخنا المکرّم حضرت گڑھئی باباجی متّعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہم کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی، حضرت ممدوح نے ایک بات کی مناسبت سے ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "اذا احب اللّٰه تعالیٰ عبداً ابتلا ه فان صبر اجتباه وان رضی اصطفاه" پھر تشریحاً فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کی پہلی علامت یہ ہے کہ آدمی کو تنگ دستی وخواری، یا تکلیف وبیماری، یا قید وگرفتاری میں مبتلا کر دیتا ہے، اگر وہ صابر رہا، حرف شکایت زبان پر نہ آنے دیا تو اسے مقام اجتباء پر فائز کر دیتا ہے۔ مقام اجتباء محفوظیت کا مقام ہے یعنی تا زیست حق تعالیٰ اس بندہ کو نفس وشیطان کے حوالے نہیں فرمائیں گے، اگر وہ صبر سے بھی آگے بڑھ کر ان بلایا ومصائب پر خوش ہوتا رہا اور لطف اندوز ہوتا رہا تو مقام مصطفیٰ اسے نصیب کر دیتے ہیں''۔ [مولانا محمد یاسین، ''نامہائے گراں مایہ سے چند منتخب نقوش''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر [خصوصی اشاعت: مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ]، کوہاٹ: ندوۃ التحقیق الاسلامی، [س-ن]، صفحات ۵۷۵-۵۷۶]

۱۸۲- مولانا عزیز الرحمٰن مروت، ''اٹھا سائبان شفقت''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر، صفحات ۷۱۹-۷۲۰۔

۱۸۳- مولانا محمد یوسف، محولہ بالا، صفحات ۶۶-۶۷۔

۱۸۴- محولہ بالا، صفحہ۶۶۔

۱۸۵- اہل سنت وجماعت کے نزدیک دلائل شرعیہ بالاتفاق چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماع امت اور اجتہاد ـــــ ان میں سے پہلے تین دلائل حجت ملزمہ ہیں جب کہ چوتھی دلیل حجت مطمئنہ ہے ـــــ منامات اور مکاشفات ''دلیل'' نہیں ہیں، ان سے مقصود فقط بشارت ہوتا ہے یا صرف انذار۔ اگر یہ شریعت کے موافق ہوں گے تو مقبول ورنہ مردود یا مأول ہوں گے۔

کتابیات

القرآن المجید

(1) عربی کتابیں

۱- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، **الأصابة في تمييز الصحابة**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵م۔

۲- امام اعظم ابوحنیفہؒ، **الفقہ الاکبر**، حیدرآباد دکن: مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ، ۱۳۴۲ھ۔

۳- امام احمد بن علی خطیب بغدادیؒ، **الفقیہ والمتفقہ**، ریاض: دار ابن الجوزی، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶م۔

۴- امام احمد بن علی خطیب بغدادیؒ، **کتاب الکفایۃ في علم الروایۃ**، ہند: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۵۷ھ۔

۵- امام ابی بکر ہیثمیؒ، **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

۶- حافظ تقی الدین ابن تیمیہؒ، **مجموع فتاویٰ**، الریاض: مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴م۔

۷- امام سلیمان بن اشعث ابی داؤدؒ، **سنن أبي داؤد**، دمشق: دار الرسالۃ العالمیۃ، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹م۔

۸- شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، **عوارف المعارف**، مصر: المکتبہ العلامیہ، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹م۔

۹- علامہ ابن عابدین شامیؒ، **رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار**، الریاض: دار عالم الکتب، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳م۔

۱۰- شیخ عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ، **تلبیس إبلیس**، بیروت: دار القلم، ۱۴۰۳ھ۔

۱۱- علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ، **النبراس شرح شرح العقائد**، استنبول: مکتبہ آستانہ، [س-ن]۔

۱۲- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، **فتوح الغیب**، مصر: بمطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳م۔

۱۳- عبداللہ ناصح علوان، تربية الأولا في الاسلام، مصر: دارالسلام للطباعة والنشر والتوزيع، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲م۔
۱۴- شیخ علاء الدین عبدالعزیز بخاریؒ، كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷م۔
۱۵- ملا علی قاریؒ، منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، بیروت: دارالبشائر الاسلامیۃ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م۔
۱۶- امام ابوحامد محمد الغزالیؒ، إحياء علوم الدين، بیروت: دارابن حزم، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵م۔
۱۷- امام ابوحامد محمد الغزالیؒ، المستصفٰى من علم الأصول، شرکۃ المدینۃ المنورۃ للطباعۃ، [س-ن]۔
۱۸- امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، صحيح البخاري، بیروت: دارابن کثیر، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲م۔
۱۹- امام محمد بن عیسی ترمذیؒ، جامع الترمذي، ریاض: بیت الأفکار الدولیۃ، [س-ن]۔
۲۰- محمد بن یزید القزوینیؒ، السنن لابن ماجة، دمشق: دارالرسالۃ العالمیۃ، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹م۔
۲۱- مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، معارف السنن شرح سنن الترمذي، کراچی: ایچ۔ایم۔ سعید کمپنی، ۱۴۱۳ھ۔

(2) فارسی کتابیں

۲۲- امام احمد غزالیؒ، مجموعۂ آثار فارسی احمد غزالی، [بہ اہتمام: احمد مجاہد]، دانش گاہ تہران، ۱۳۷۶ھ۔
۲۳- شیخ احمد یحییٰ منیریؒ، مکتوبات صدی [فارسی]، حیدرآباد، شاہ لطیف آباد مغربی پاکستان، [س-ن]۔
۲۴- امیر خورد کرمانی [مرتب]، سیر الاولیاء، دہلی: مطبع محبت ہند، ۱۳۰۲ھ۔
۲۵- شیخ جلال الدین رومیؒ، کلیات شمس / دیوان کبیر، تہران: مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، ۱۳۷۸ھ۔
۲۶- شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، انفاس العارفین، دہلی: مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزی، ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء۔
۲۷- شیخ علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویریؒ، کشف المحجوب [فارسی]، لاہور: النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء۔
۲۸- شیخ عین القضاۃ ہمدانیؒ، لوائح، تہران ۱۳۳۸ھ۔
۲۹- امام ابوحامد محمد الغزالیؒ، کیمیائے سعادت، تہران، ۱۳۸۰۔
۳۰- مجدد الفِ ثانیؒ، مکتوباتِ امام ربانی، کراچی: ایچ-ایم سعید کمپنی، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م۔

(3) اردو کتابیں

۳۱- مولانا اشرف علی تھانویؒ، تحفۃ العلماء، کراچی: البرکہ [س۔ن]۔

۳۲- مولانا اشرف علی تھانوی، شریعت وطریقت [مرتب: مولانا محمد دین چشتیؒ]، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۱ء۔

۳۳- مولانا محمد امین اورکزئیؒ، **ارشاد الحلیم الی ادب التعلیم فی ضوء ما جری بین الخضر والکلیم علیهما السلام**، کراچی: مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۱۱ء۔

۳۴- مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، تجلیات صفدر، فیصل آباد: جمیعۃ اشاعۃ العلوم الحنفیہ، ۲۰۰۰ء۔

۳۵- مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، مجموعہ رسائل، لاہور: ادارہ خدام احناف، ۲۰۰۱ء۔

۳۶- مولوی محمد حسن، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۳۷- محمد خادم حسین زبیری [مرتب]، معین الارواح، کراچی: میر محمد کتب خانہ، [س۔ن]۔

۳۸- مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مکتوبات رشیدیہ، لاہور: المکتبۃ المدنیۃ، ۱۹۸۳ء۔

۳۹- شاہ ولی اللہؒ، **شفاء العلیل ترجمه القول الجمیل في بیان سواء السبیل**، کراچی: ایچ۔ایم۔ سعید کمپنی، ۱۹۷۰ء۔

۴۰- مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، میرے والد ماجدؒ اور ان کے مجرب عملیات، کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء۔

۴۱- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبار الاخیار، [مترجم: سبحان محمود اور محمد فاضل]، سہارن پور: مکتبہ دانش دیوبند، [س۔ن]۔

۴۲- پروفیسر عبدالحئی فاروقی، امام اہل سنت حضرت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ ـــــ حیات وخدمات، لاہور: ادارۂ تحقیقات اہل سنت، ۲۰۰۹ء۔

۴۳- عبدالغنی خورجویؒ، **قاصمة الظهر في بلند شهر**، لاہور: انجمن ارشاد المسلمین، ۱۹۷۹ء۔

۴۴- خواجہ سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ، یازدہ رسائل، [مترجم: قاضی احمد عبدالصمد]، لاہور: سیرت فاؤنڈیشن، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۴۵- نثار احمد فاروقی، نقد ملفوظات، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء۔

۴۶- شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ، خیر المجالس، [مرتب: حمید شاعر قلندر]، کراچی: واحد بک ڈپو، [س۔ن]۔

۴۷- خواجہ نظام الدین اولیاؒ، فوائد الفواد، [مرتب: خواجہ امیر حسن علا سجزیؒ]، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء۔

۴۸- مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، شخصیات وتاثرات، کراچی: مکتبہ لدھیانوی، ۱۹۹۵ء۔

(4) مضامین ومقالات

۴۹- مولانا ابومحبّ اورکزئی، ''تم اہلِ دل سا جینا ہمیں سکھا کے چلے''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۰- حاجی اعظم خان، ''سرتکوین کا محرم راز''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۱- ام امداداللہ، ''میرا غم خوار بھائی''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۲- ام مولانا محمد یوسف، ''میرے سر کا تاج.....جو ٹوٹ گیا!!!''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۳- مولانا محمد امین اورکزئی، ''مکتوب بہ نام مولانا اسلم شیخوپوری''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۴- مولوی جمیل احمد، ''نثر الأزهار علی شرح معانی الآثار: چند خصوصیات وامتیازات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۵- مولانا رفیع اللہ خان، ''استاذ صاحبؒ کے ساتھ بیتے دن''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۶- مولانا سمیع اللہ سعدی، ''مسانید الامام ابی حنیفہ کا تعارفی جائزہ''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۷- محمد طفیل کوہاٹی، ''حضرت الاستاذ کا اسلوب مکالمہ: 'مکاتیب ہدایت' کی روشنی میں''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۸- محمد طفیل کوہاٹی، ''حضرت الاستاذؒ کی بعض منتخب تحقیقات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۵۹- محمد طفیل کوہاٹی، ''مولانا محمد امین اورکزئی شہید: سماجی کردار اور معاشرے پر ان کے اثرات''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۰- مولانا عزیز الرحمٰن مروت، ''اٹھا سائبان شفقت''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۱- مولانا محمد اسلام، ''زخم فراق''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۲- مولانا محمد طاہر، ''میرے مشفق چچا جان''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۳- مولانا محمد فاروق، ''قافلہ اسلاف کا راہی''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۴- مولانا قاری محمد قاسم، ''آفتاب رشد وہدایت''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۵- مولانا نور البشر، ''نثر الأزهار علی شرح معانی الآثار: ایک تعارفی جائزہ''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۶- مولانا محمد یاسین، ''نامہائے گراں مایہ سے چند منتخب نقوش''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۷- مولانا محمد یوسف، ''شہید اسلام حضرت مولانا محمد امین اورکزئی رحمہ اللہ کے احوال وآثار''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔
۶۸- مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ''مولانا محمد امین اورکزئیؒ کا شرح طحاوی میں منہج واسلوب''، مشمولہ سہ ماہی المظاہر۔